ایف اے
داخلہ جاری

اقتدار احمد ویلفیئر ٹرسٹ کے زیر اہتمام
ایف اے اور بی اے کی معیاری تعلیم کا جدید ادارہ

طوبیٰ گرلز کالج لاہور

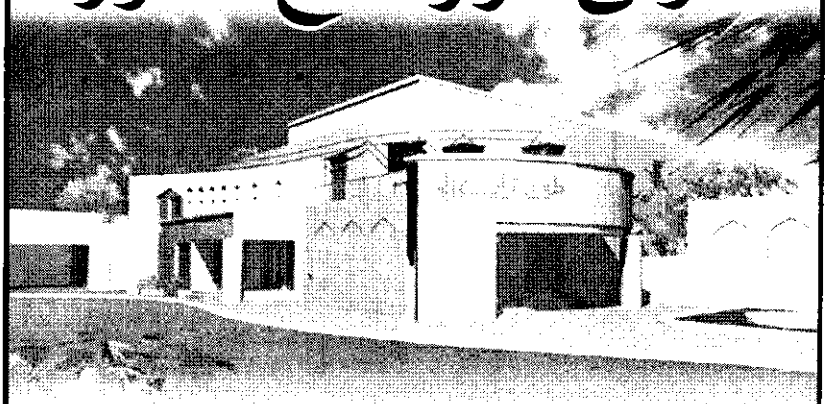

- اسلامی تعلیمات اور نظریہ پاکستان کے فروغ پر خصوصی توجہ
- باپردہ اور پاکیزہ ماحول
- خوبصورت اور کشادہ عمارت
- ماڈرن کمپیوٹر لیب اور کمپیوٹر کی لازمی تعلیم بلا اضافی فیس
- طالبات کے لئے ٹرانسپوٹ (Pick & Drop) کی سہولت
- بیرون لاہور کی طالبات کے لیے ہوسٹل کی محدود سہولت

مزید معلومات کے لئے پراسپیکٹس حاصل کریں

طوبیٰ گرلز کالج 78 سیکٹر اے ون ٹاؤن شپ لاہور
فون 5114581 E-mail: toobacollege@ hotmail.com

DESIGN UNIT

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد : ۵۱

شمارہ : ۷

جمادی الاولیٰ ۱۴۲۳ھ

جولائی ۲۰۰۲ء

فی شمارہ ۱۲/-

ماہنامہ میثاق لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زرِ تعاون

☆ اندرون ملک 125 روپے

☆ ایشیا' یورپ' افریقہ وغیرہ 800 روپے

☆ امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ 1000 روپے

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور 54700' فون: 03-02-5869501

فیکس: 5834078 ای میل: anjuman@tanzeem.org

ویب سائٹ ایڈریس: www.tanzeem.org

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی: 67-گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ' لاہور

فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110

ای میل: markaz@tanzeem.org

پبلشر: ناظم مکتبہ مرکزی انجمن طابع: رشید احمد چوہدری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیویٹ) لمیٹڈ

مشمولات

✿ **عرض احوال** ——— ۳

حافظ عاکف سعید

✿ **تذکرہ و تبصرہ** ——— ۴

نوشتۂ دیوار

حافظ عاکف سعید

✿ **حقیقت دین** ——— ۱۷

اسلام کا خاندانی نظام اور اس میں مرد کی قوامیت

ڈاکٹر اسرار احمد

✿ **اسلام کا تصور عبادت** ——— ۴۳

پروفیسر محمد شریف

✿ **منہاج المسلم** (۲۲) ——— ۴۹

مخلوق سے تعلق کے آداب

علامہ ابوبکر الجزائری

✿ **بحث و نظر** ——— ۵۹

جنگی قیدیوں کے ساتھ سلوک ——— اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

انجینئر کرم الٰہی انصاری

✿ **خطوط و نکات** ——— ۷۰

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

محمد فہیم، تمر گرہ

☆

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عرض احوال

شرمناک فیصلہ!

۲۵ جون ۲۰۰۲ء کا دن دینی و مذہبی اعتبار سے اسلامی جمہوریہ پاکستان کی تاریخ کے سیاہ ترین دن کی حیثیت سے یاد رکھا جائے گا جب ملک کی اعلیٰ ترین عدالت نے بہت سے دستوری و قانونی تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے معاملے کو نمٹانے کے انداز میں اپنے ایک مختصر فیصلے کے ذریعے معاشی میدان میں اسلامائزیشن کے ضمن میں کی گئی گزشتہ کم و بیش پندرہ بیس سال کی مساعی اور قابل قدر پیش رفت پر خط تنسیخ پھیر دیا۔ ہر دیدۂ بینا رکھنے والا شخص اس امر کا بخوبی مشاہدہ کر رہا تھا کہ سود کے خاتمے اور بلاسود بینکاری کے فروغ کے لئے حکومت وقت کو گزشتہ سال سپریم کورٹ کے اپیلٹ بنچ سے ملنے والی اضافی مہلت ۳۰ جون کو ختم ہو رہی تھی جبکہ اس پورے عرصے کے دوران حکومت نے اس معاملے میں مجرمانہ غفلت کو اپنا شعار بنائے رکھا اور سود کے خاتمے اور متبادل نظام کے قیام کے لئے ضروری ہوم ورک سے حسب سابق صرف نظر کئے رکھا اور جب وہ مہلت ختم ہونے کو آئی تو انتہائی بددیانتی سے کام لیتے ہوئے سپریم کورٹ کے ایک ایسے اپیلٹ بنچ کے ذریعے وفاقی شرعی عدالت کے تاریخ ساز فیصلے کو انتہائی بھونڈے انداز میں کالعدم کروا دیا جو اس معاملے میں نظر ثانی کی سماعت کا سرے سے مجاز ہی نہیں تھا ـــــ نئے بنچ کی تشکیل میں بھی حکومت کی بدنیتی بالکل ظاہر و باہر تھی۔ پھر اگر فاضل عدالت کے نزدیک واقعی کچھ نئے نکات عدالت میں اٹھائے گئے تھے تو ضروری تھا کہ ان نکات کے جواب تیار کرنے اور پھر تفصیلی سماعت کے لئے مزید وقت دیا جاتا اور عجلت میں اتنا بڑا فیصلہ کرنے سے اجتناب کیا جاتا۔ قبل ازیں ۱۹ جون کو ملکی اخبارات میں شائع ہونے والے ایک حکومتی ترجمان کا یہ بیان بھی حکومت کے ناپاک عزائم کا غماز تھا کہ شریعت کی رو سے خواہ سود حرام ہو لیکن چونکہ اس وقت ملک و قوم کی مصلحت سودی نظام میں ہے لہٰذا ہم اسے جاری رکھیں گے!۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!!ـــــ چنانچہ اس حکومتی ڈرامے کا ڈراپ سین ۲۵ جون کو ہوا جب ایک مختصر عدالتی فیصلے کے ذریعے معیشت کی اسلامائزیشن کے ضمن میں اعلیٰ عدالتوں کے سابقہ تاریخ ساز فیصلوں کو بیک قلم کالعدم قرار دے دیا گیا ـــــ مسلمانانِ پاکستان کے لئے یہ شرم سے ڈوب مرنے کا مقام نہیں تو اور کیا ہے.....!!

تذکرہ و تبصرہ

نوشتۂ دیوار

تحریر: حافظ عاکف سعید

صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کی ۵/اپریل کی نشری تقریر اور پھر ۹/اپریل کو لاہور میں مینار پاکستان کے سائے تلے منعقدہ جلسۂ عام میں خطاب کے دُوررس اور عمیق سیاسی مضمرات وعواقب سے قطع نظر ایک چیز بالکل ظاہر و باہر ہے' اور وہ یہ کہ وہ آئندہ کم از کم پانچ سال تک کے لئے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ایک بااختیار صدر کی حیثیت سے ملک کو دوٹوک انداز میں عریاں سیکولرازم کی راہ پر گامزن رکھنے کا عزمِ مصمم رکھتے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے اپنے اس پہلے عوامی خطاب میں' جسے دراصل ان کی ریفرنڈم مہم کا نقطۂ آغاز کہنا غلط نہ ہوگا' ایک خالص ''سیاسی بیان'' کے طور پر سیاست اور دین کو ساتھ ساتھ چلانے کا عندیہ دیا ہے' لیکن ان کے اب تک کے رویئے' طرزِ عمل اور اندازِ فکر کو اگر مدنظر رکھا جائے تو ان کا یہ حالیہ بیان ''بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر'' کا مصداق ہی ٹھہرے گا جس کا ان کے مجموعی مزاج' سوچ' سابقہ طرزِ عمل اور آئندہ کے نقشہ کار سے دور کا بھی واسطہ نہیں!

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ پاکستان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اقوامِ عالم میں یہ واحد ملک ہے جو اسلام کے نام پر قائم ہوا۔ گویا ''اسلام ترا دیس ہے' تو مصطفوی ہے'' کا جامہ پورے طور پر مسلمانانِ پاکستان پر راست آتا ہے۔ ''اسلام'' کو پاکستان کی بنیاد اور اساس ہی کی نہیں' واحد وجۂ جواز کی حیثیت بھی حاصل ہے۔ دوسری جانب یہ بھی امر واقع ہے کہ سیکولرازم اسلام کی ضد ہے۔ سیکولرازم کی چھتری تلے بے شمار مذاہب تو سما سکتے ہیں کہ ان میں باہم مطابقت پذیری موجود ہے' لیکن سیکولرازم اور اسلام کی مثال دو بادشاہوں کی ہے جو ایک راجدھانی میں جمع نہیں ہو سکتے۔ اگر کسی

ملک کا اجتماعی نظام سیکولرازم کی بنیاد پر استوار ہوگا تو وہ ایک غیر اسلامی حکومت ہوگی خواہ وہاں بسنے والوں کی غالب اکثریت مسلمانوں پر ہی مشتمل ہو۔ وہاں اسلام دین کی حیثیت سے نہیں، محض ایک مذہب کے طور پر ایک مغلوب اور محکوم قوت کی حیثیت میں باقی رہ سکتا ہے۔

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحر بیکراں ہے زندگی!

اسی طرح جس ملک میں حقیقی اسلامی نظام قائم و غالب ہو جائے وہاں سیکولرازم کی عملداری کا کوئی امکان نہیں۔ ایک سچی اسلامی ریاست میں سیکولرازم کا وجود ایک مردہ نظریے کی حیثیت سے صرف کتابوں میں مسطور مل سکتا ہے، اس سے زیادہ وہاں اس کا کوئی مقام نہیں۔

کسی ملک کی اساس، بنیاد اور وجۂ جواز اگر کمزور پڑ جائے تو وہ ملک نہ صرف یہ کہ عدم استحکام کا شکار ہو جاتا ہے بلکہ اس کی سالمیت اور بقا بھی شدید طور پر معرض خطر میں آ جاتی ہے —— کیا یہی کچھ معاملہ پاکستان کے ساتھ نہیں ہے؟ —— مملکت خداداد پاکستان کو ایک صحیح اسلامی ریاست کے قالب میں ڈھالنے کی بجائے ہم نے اول روز سے سیکولر طرز فکر کو فوقیت دی اور ''چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی'' کے اصول کے مطابق پوری دنیا میں رائج اِس طاغوتی طرز فکر کے فروغ اور اِس ابلیسی نظام کی ترویج پر کمربستہ ہو گئے —— نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ دین اسلام سے بے وفائی اور ہماری بداعمالیوں کے نتیجے میں اپنے قیام کے چوبیسویں برس پاکستان دولخت ہو گیا، ملکی سالمیت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی، رقبے کے لحاظ سے کم لیکن آبادی کے لحاظ سے بڑا حصہ مستقلاً جسد قومی سے کٹ گیا۔ اُس وقت سے لے کر آج تک ''باقی ماندہ'' پاکستان بھی مسلسل مختلف بحرانوں سے نبرد آزما اپنی سالمیت اور بقا کی جنگ لڑ رہا ہے —— نہ اب تک اسے سیاسی استحکام نصیب ہو سکا ہے، نہ آج تک اقتصادی میدان میں یہ خود کفالت کی منزل سے ہمکنار ہو سکا ہے، نہ اس کی منزل آج تک معین ہو سکی ہے، نہ اس کے قبلے کا

کوئی صحیح اور مستقل تعین آج تک ہو سکا ہے۔ بلکہ سچی بات یہ ہے کہ اکثر قومی و ملکی امور میں ہم اپنی آزادی سے عملاً دستبردار ہو چکے ہیں۔ اقتصادی اعتبار سے ہم آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے غلام ہیں' سیاسی و عسکری امور میں ہم امریکہ کے در کے سوالی اور تابع مہمل ہیں۔ قومی اعتبار سے ہمارا وجود دیمک زدہ ہو کر کھوکھلا ہو چکا ہے اور ہم اس خود فریبی کا شکار ہیں کہ ہم آزاد اور ''باوقار'' قوم ہیں۔ چنانچہ پاکستان کے مستقبل کے بارے میں رائے زنی کرنا اور اس کی بقا کے حوالے سے گاہے بگاہے منفی پیشین گوئیاں کرتے رہنا عالمی اداروں کا شعار بن چکا ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ امتیازی معاملہ پاکستان کے ساتھ ہی کیوں ہے' دنیا کے دوسرے ممالک کے ساتھ کیوں نہیں ہے؟ اس کا جواب بالکل واضح ہے۔ پاکستان کا استحکام اور اس کی بقا صرف اور صرف اسلام کے ساتھ وابستہ ہے۔ سیکولر طرز حیات اس کے لئے ''موت'' سے کم نہیں ـــــ لیکن نہایت جلی حروف میں درج اس نوشتۂ دیوار کو نہ پڑھنے کا ہم تہیہ کئے بیٹھے ہیں۔ اس کھلی حقیقت سے صرف نظر اور غض بصر کو ہم روشن خیالی کا نام دیتے ہیں۔ قوم کی ایک عظیم اکثریت اسی روشن خیالی کا شکار ہے۔ اسلامی جمہوریہ پاکستان کے قابل احترام صدر بھی اگر اسی روشن خیالی کے اسیر ہیں تو اس میں تعجب کی بات کون سی ہے! ـــــ تاہم یہ معاملہ ہے انتہائی تشویشناک' اور یہ صورت حال ملک میں اسلام کے نام لیوا طبقات اور دینی جماعتوں کے لئے ایک بڑے لمحۂ فکریہ سے کم نہیں!! ـــــ سطورِ آئندہ میں اسی اہم موضوع پر گفتگو ہوگی۔ ان شاء اللہ!

دینی طبقات کے لئے لمحۂ فکریہ!

آگے بڑھنے سے قبل مناسب ہوگا کہ اس بات کا تعین کر لیا جائے کہ جب ہم سیکولر سوچ' سیکولر طرز فکر یا سیکولر طرز حکومت کی بات کرتے ہیں تو اس سے مراد کیا ہے! گزشتہ دو صدیوں کے دوران مغرب میں جو سیکولر سوچ پروان چڑھی ہے اور جو آج کم و بیش پوری دنیا پر مسلط ہے' ہمارے نزدیک اس کا حاصل یہ ہے کہ مذہب ہر انسان کا پرائیویٹ معاملہ ہے' اجتماعی معاملات اور نظام حکومت کا کسی مذہب سے کوئی تعلق نہیں

ہونا چاہئے' بلکہ تمام اجتماعی اور ملکی معاملات مثلاً نظام سیاست' نظام معیشت اور نظام معاشرت کے اصول وقوانین کو خالص دنیاوی انداز میں افرادِ قوم کی باہم مشاورت اور کثرتِ رائے کے اصول پر طے کیا جانا چاہئے۔ سیکولرازم کے نقطہ نگاہ سے اِن تمام اجتماعی معاملات میں مذہب کا عمل دخل خالص دقیانوسیت کا مظہر شمار ہوتا ہے جس کی آج کی ''مہذب دنیا'' میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ مذہب کا دائرہ کار محض گھر کی چار دیواری یا عبادت گاہوں تک محدود سمجھا جاتا ہے۔ سیکولر طرزِ حکومت میں ایک ملک میں رہنے والے تمام شہری خواہ ان کا تعلق کسی بھی مذہب سے کیوں نہ ہو اور خواہ ایک ملک میں بیسیوں مذاہب کے پیروکار رہتے ہوں' ہر اعتبار سے برابر کے شہری شمار ہوتے ہیں اور مکمل طور پر برابر کے حقوق رکھتے ہیں۔ یہ وہ ''تابناک نظریہ'' ہے جس کی آج پوری دنیا میں پرستش ہو رہی ہے۔

یہ سوچ موجودہ عیسائی مذہب کے ساتھ اس پہلو سے ہم آہنگی رکھتی ہے کہ موجودہ عیسائیت میں' جسے پال ازم کہنا زیادہ مناسب ہوگا' سرے سے کوئی اجتماعی نظام موجود نہیں ہے۔ وہاں مذہب (Religion) کوئی الواقع انسان کا ایک پرائیویٹ معاملہ ہی سمجھا جاتا ہے —— جبکہ اسلام مذہب نہیں' دین ہے۔ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے' جو انسان کے محض انفرادی اور پرائیویٹ ہی نہیں' تمام اجتماعی معاملات کا بھی پوری طرح احاطہ کرتا ہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی شعبہ اس کے حیطۂ اثر سے باہر نہیں۔ اسلام کا اپنا ایک مکمل نظام معاشرت ہے جو آج دنیا میں رائج طرزِ معاشرت سے یکسر مختلف ہے۔ اسلام کے اپنے اقتصادی اصول ہیں جو آج کی دنیا کے مروّجہ اقتصادی نظام کے لئے موت کا درجہ رکھتے ہیں کہ آج پوری دنیا کی معیشت میں اُس سودی لین دین کو مرکز ومحور کا مقام حاصل ہے جو اسلام کی رو سے مبغوض ترین اور ملعون ترین برائی شمار ہوتا ہے۔ اسلام کے اپنے سیاسی اصول ہیں جو سیکولر طرزِ حکومت سے بالکل جدا اور مختلف ہیں۔ اسلام کی رو سے حاکمیت کا حق صرف خالق و مالکِ ارض وسماوات کو حاصل ہے۔ جو قوانین اس ذاتِ باری تعالیٰ کے عطا کردہ ہیں وہ اٹل ہیں' ان میں کسی

صورت ترمیم نہیں کی جا سکتی۔ بقول اقبال ؎

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بتانِ آزری!

جبکہ سیکولر طرزِ حکومت میں یہ اختیار انسانوں کو تفویض کیا گیا ہے کہ وہ حکومت کرنے اور ہر نوع کی قانون سازی کا مکمل حق رکھتے ہیں۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ زندگی کے ہر شعبے میں اس کی مطلق بالادستی کو تسلیم کیا جائے، خواہ اس کے لئے پوری دنیا ہی سے ٹکر لینی پڑے، جبکہ سیکولرازم کی تعلیم یہ ہے کہ ''چلو تُم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی''۔ اب بتایئے کہ بھلا اسلام اور سیکولرازم میں مطابقت پذیری کا کہیں کوئی امکان ہو سکتا ہے۔ ناممکن!!

یہ امر واقعہ بھی ہے اور ہمارے لئے ایک بہت بڑا لمحۂ فکریہ بھی کہ مسلمانانِ پاکستان کی ایک عظیم اکثریت آج سیکولر سوچ کی حامل ہے۔ اگرچہ صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے ریفرنڈم کی تیاری کی خاطر عوامی سیاست کے میدان میں کودنے کے بعد یہ ''خالص سیاسی بیان'' دینا ضروری سمجھا کہ ''میں سیکولر نہیں ہوں'' —— اللہ کرے کہ وہ سیکولر نظریات سے واقعی تائب ہو جائیں اور اس مملکت خداداد پاکستان میں حقیقی اسلامی نظام کے قیام کے لئے سرگرم عمل ہو جائیں —— لیکن تادمِ تحریر ان کی ہر ادا، ہر عمل، ہر بڑے اقدام اور ہر پالیسی بیان سے یہ بات بدیہی طور پر عیاں ہے کہ وہ سیکولر سوچ کے حامل ہی نہیں، علمبردار بھی ہیں —— چنانچہ صدر صاحب کے اس سیاسی بیان سے قطع نظر امر واقعہ یہی ہے کہ ہمارے اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقے اور ہائر بیوروکریسی میں شامل افراد کی بھاری اکثریت، خواہ ان کا تعلق سول سے ہو یا آرمی سے، نہ صرف یہ کہ خالص سیکولر طرزِ زندگی اپنائے ہوئے ہیں بلکہ کھلم کھلا سیکولر خیالات کا اظہار کرنے میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔ ہمارے بعض مذہبی سیاسی قائدین کا یہ خیال ہے کہ سیکولر سوچ رکھنے والا طبقہ ہمارے ملک میں آٹے میں نمک کے برابر ہے۔ ان کے خیال میں یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم پر گزشتہ ۵۰ برسوں سے سیکولر نظریات کے حامل حکمران مسلط رہے، ورنہ ہمارے عوام کی عظیم اکثریت (جو ان کے خیال میں ۹۰ فیصد

ہے زائد ہے) سچے اسلامی نظریئے کی حامل ہے۔ حالانکہ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقات اور ہائر بیوروکریسی کی عظیم اکثریت کی مانند عوام الناس کی ایک غالب اکثریت پر بھی خالص مادہ پرستانہ اور سیکولر خیالات کی چھاپ نظر آتی ہے' جس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ملکی انتخابات میں ہمارے ''غریب عوام'' اور عام شہریوں کے ووٹوں کا زیادہ وزن ہمیشہ سیکولر سیاسی جماعتوں کے پلڑے میں پڑتا رہا ہے' جس کا سیدھا سا مطلب یہ ہے کہ عوام کے نزدیک بھی ملکی و اجتماعی معاملات کے حل اور نظام حکومت کو چلانے کے لئے آج سیکولر ذہن رکھنے والے حکمرانوں کی ضرورت ہے' حقیقی دینی فکر رکھنے والے قائدین کی نہیں۔

ہم اپنے ان دینی قائدین کی خدمت میں جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں سیکولر طبقہ صرف آٹے میں نمک کے برابر ہے' بصد ادب عرض کریں گے کہ اگر انہیں ہماری اس بات سے اتفاق نہیں ہے تو وہ ان فرموداتِ نبویؐ ہی پر توجہ فرمائیں جن میں رسالت مآب ﷺ نے اس ضمن میں بڑی روشن اور واضح اصولی رہنمائی امت کو دی ہے: "كَمَا تَكُوْنُوْنَ كَذٰلِكَ يُؤَمَّرُ عَلَيْكُمْ" جیسے تم (عوام) ہو گے اسی طرح کے حکمران تم پر مسلط کر دیئے جائیں گے۔ اسی طرح فرمایا: "اَعْمَالُكُمْ عُمَّالُكُمْ" کہ تمہارے اپنے اعمال ہی تم پر عامل (حاکم) بن کر مسلط ہو جاتے ہیں ـــــ یہ آنحضور ﷺ کا عطا کردہ رہنما اصول ہے جو مسلمانوں کے معاملے میں تو صد فی صد منطبق ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ سمجھنا کہ سیکولر سوچ کا حامل طبقہ ملکی آبادی کا چند فیصد ہے' حقائق کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔

اس تناظر میں اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ہماری دینی جماعتیں گزشتہ پچاس برسوں میں اس ملک میں اپنا رول ادا کرنے میں بری طرح ناکام ثابت ہوئی ہیں ہمارے دینی سیاسی قائدین اور دینی جماعتوں نے اپنی جدوجہد کی بنیاد جس اہم نکتے کو بنایا وہ بجائے خود غلط تھا۔ ہماری دینی سیاسی جماعتیں عوام کو سچا پکا مسلمان اور مظلوم و مقہور قرار دے کر ہمیشہ پنجے جھاڑ کر حکمران طبقے کے پیچھے پڑی رہیں' حالانکہ

جتنے کچھ سیکولر ہمارے حکمران ہیں' کم وبیش اسی قدر سیکولر یہاں کے عوام بھی ہیں۔ تشخیص چونکہ غلط تھی لہٰذا علاج بھی غلط نہج پر کیا گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ نہ اس ملک میں اسلام آ سکا اور نہ ہی دینی سیاسی جماعتوں کے ہاتھ اسلام آباد آیا!——اب ہمیں اس نکتے پر توجہ کو مرکوز کرنا ہے کہ دینی جماعتوں اور علماء کرام کے کرنے کا اصل کام کیا ہے!

دینی جماعتوں اور علماء کرام کے کرنے کا اصل کام!

گزشتہ صفحات میں جو کچھ عرض کیا گیا اس کا حاصل یہ ہے کہ پچھلے ۵۵ سال کے دوران اسلامی جمہوریہ پاکستان میں دینی جماعتیں اور علماء کرام بحیثیت مجموعی اپنا اصل رول ادا کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ ملک میں اسلامی نظام کے قیام کے لئے سرگرم عمل دینی سیاسی جماعتوں نے جس مفروضے پر اپنے منہج عمل کی بنیاد رکھی' وہ مفروضہ ہی سرے سے غلط تھا۔ لہٰذا انجام معلوم! ان کے نزدیک ملک میں زوال' بگاڑ اور فساد کا واحد سبب وہ ایک نہایت محدود طبقہ ہے جو اقتدار کی میوزیکل چیئر گیم کے تحت وقفے وقفے سے اور باری باری اقتدار کے تخت طاؤس پر براجمان ہوتا ہے' باقی جہاں تک عوام الناس اور ملکی آبادی کی ایک عظیم اکثریت کا تعلق ہے وہ سچے پکے مومن افراد پر مشتمل ہے جو صدق دل سے اس بات کے آرزومند ہیں کہ اس ملک میں نظام اسلام اپنی اصل اور خالص صورت میں رائج و قائم ہونا چاہئے۔ ہمارے تجزیئے کی رو سے ہمارا حکمران طبقہ اور ہائر بیوروکریسی اسلام و ایمان کی حقیقی روح سے جتنی دور اور مزاجاً جس درجے سیکولر واقع ہوئی ہے' کم وبیش اتنا ہی سنگین معاملہ عوام الناس کا بھی ہے۔ جھوٹ' بددیانتی' کرپشن' فریب کاری و دھوکہ دہی کا زہر ملک کے صرف ایک مخصوص طبقے میں نہیں' پورے جسد ملی میں سرایت کئے ہوئے ہے' الا ماشاء اللہ۔ ایمان کے ایسے دعویدار اور قرآن کے وہ قاری جنہیں ''قرآنِ مجسم'' اور اسلامی تعلیمات کا عملی پیکر قرار دیا جا سکے' ناپید ہیں۔ دینی سیاسی جماعتوں کی یہ مجبوری ہے کہ وہ عوام الناس کی خامیوں' غلطیوں اور کجروی کی نشاندہی کرنے اور انہیں اصلاح عمل کی تلقین کرنے کا رسک نہیں لے سکتیں کہ اس طرح ان کا ووٹ بینک شدید طور پر مجروح ہو سکتا ہے' لہٰذا

عافیت کی راہ یہی ہے کہ حکمرانوں کو خرابی کی جڑ اور فساد کا سرچشمہ قرار دے کر سارا غم و غصہ ان پر نکالا جائے اور خواب غفلت میں مدہوش عوام کی غلطیوں اور جرائم (جن میں سب سے بڑا جرم دین سے بے وفائی ہے) سے غض بصر کرتے ہوئے پاک دامنی کا سرٹیفکیٹ ان کے ہاتھ میں تھما کر انہیں ''سیاہ کار'' حکمرانوں کے خلاف مشتعل کرنے کے لئے زبان و بیان کی تمام قوتوں کو استعمال کیا جائے تاکہ مسند اقتدار ان کے لئے خالی ہو سکے!۔۔۔ حکمرانوں کی ٹانگ گھسیٹنے کے لئے دینی جماعتوں نے سیکولر جماعتوں کے ساتھ اشتراکِ عمل میں بھی کبھی عار محسوس نہ کیا۔ ملک کی تاریخ میں کئی مواقع پر انہیں حکومت گرانے میں کامیابی بھی حاصل ہوئی لیکن لیلائے اقتدار سے ہمکنار ہونے کی نوبت آج تک نہ آ سکی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دینی جماعتوں کا یہ نقطہ نظر ''اَعْمَالُكُمْ عُمَّالُكُمْ'' میں مضمر حکمتِ نبویؐ کے یکسر خلاف اور ان کا یہ طرزِ عمل ''اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ'' میں پوشیدہ تلقینِ نبویؐ سے یکسر متصادم ہے۔

دیکھئے قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ کی رو سے علماء و صوفیاء کرام کا اصل کام ''نہی عن المنکر'' ہے۔ سابقہ امت مسلمہ یعنی یہود کے زوال و انحطاط اور انہیں مغضوب علیہم قرار دیئے جانے کا ایک اہم سبب قرآن نے یہ معین کیا ہے کہ انہوں نے اپنے اس رول کو ادا نہیں کیا تھا۔ ﴿كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ﴾ (المائدہ:۷۹) کہ قوم جن منکرات اور معاصی کا ارتکاب کرتی تھی، وہ لوگ (علماء کرام) انہیں ان منکرات سے منع نہیں کرتے تھے۔ یہی مضمون متعدد احادیث میں بھی وارد ہوا ہے۔

ابوداؤد کی ایک روایت میں بڑی وضاحت سے اس مضمون کو بیان فرمایا گیا ہے:

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ : قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ : ((اِنَّ اَوَّلَ مَا دَخَلَ النَّقْصُ عَلٰى بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اَنَّهُ كَانَ الرَّجُلُ يَلْقَى الرَّجُلَ فَيَقُوْلُ : يَا هٰذَا اتَّقِ اللّٰهَ وَدَعْ مَا تَصْنَعُ، فَاِنَّهُ لَا يَحِلُّ لَكَ، ثُمَّ يَلْقَاهُ مِنَ الْغَدِ وَهُوَ عَلٰى حَالِهٖ، فَلَا يَمْنَعُهُ ذٰلِكَ اَنْ يَّكُوْنَ اَكِيْلَهُ وَشَرِيْبَهُ وَقَعِيْدَهُ، فَلَمَّا فَعَلُوْا ذٰلِكَ ضَرَبَ اللّٰهُ قُلُوْبَ بَعْضِهِمْ بِبَعْضٍ)) ثُمَّ قَالَ : ﴿لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

مِنْ بَنِیْ اِسْرَاءِیْلَ عَلٰی لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِیْسَی ابْنِ مَرْیَمَ ط ذٰلِکَ بِمَا عَصَوْا وَّکَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ○ کَانُوْا لَا یَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْکَرٍ فَعَلُوْهُ ط لَبِئْسَ مَا کَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ○ تَرٰی کَثِیْرًا مِّنْهُمْ یَتَوَلَّوْنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ط لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ﴾ اِلٰی قَوْلِهٖ ﴿فٰسِقُوْنَ﴾ ثُمَّ قَالَ : ((کَلَّا وَاللّٰهِ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْکَرِ وَلَتَاْخُذُنَّ عَلٰی یَدِ الظَّالِمِ وَلَتَاْطِرُنَّهٗ عَلَی الْحَقِّ اَطْرًا وَلَتَقْصُرُنَّهٗ عَلَی الْحَقِّ قَصْرًا اَوْ لَیَضْرِبَنَّ اللّٰهُ بِقُلُوْبِ بَعْضِکُمْ عَلٰی بَعْضٍ ثُمَّ لَیَلْعَنُکُمْ کَمَا لَعَنَهُمْ)) رواہ ابو داؤد

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے' انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بنی اسرائیل میں جو اوّلین نقص پیدا ہوا وہ یہ تھا کہ ایک شخص کسی دوسرے سے ملاقات پر کہتا تھا: 'اے فلاں! اللہ سے ڈرو' اور جو کام تم کر رہے ہو اسے چھوڑ دو' اس لئے کہ وہ تمہارے لئے جائز نہیں ہے! لیکن پھر جب ان کی اگلے روز ملاقات ہوتی تھی تو اس کے باوجود کہ وہ شخص اپنی اُسی روش پر قائم ہوتا تھا' یہ بات پہلے شخص کو اس کے ساتھ کھانے پینے میں شرکت اور مجالست سے نہیں روکتی تھی۔ تو جب انہوں نے یہ روش اختیار کی تو اللہ نے ان کے دلوں کو بھی باہم مشابہ کر دیا''۔ اس کے بعد آپؐ نے آیاتِ قرآنی ''لُعِنَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ بَنِیْ اِسْرَاءِیْلَ سے فٰسِقُوْنَ'' (مائدہ ۷۸ تا ۸۱) تک تلاوت فرمائیں اور پھر فرمایا: ''ہرگز نہیں! خدا کی قسم تمہیں لازماً نیکی کا حکم دینا ہوگا اور بدی سے روکنا ہوگا اور ظالم کا ہاتھ پکڑ لینا ہوگا' اور اسے جبراً حق کی جانب موڑنا اور اس پر قائم رکھنا ہوگا' ورنہ اللہ تمہارے دل بھی ایک دوسرے کی مانند کر دے گا اور پھر تم پر بھی اسی طرح لعنت برسائے گا جیسے ان پر کی تھی!''

اس مضمون کی حدیث ذرا مختلف الفاظ کے ساتھ ترمذی میں بھی وارد ہوئی ہے۔

اسی بات کو زیادہ شدت کے ساتھ علماء وصوفیاء کے جرم عظیم کے طور پر سورۃ المائدہ کی آیت ۶۳ میں بیان کیا گیا: ﴿لَوْلَا یَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِیُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَکْلِهِمُ السُّحْتَ﴾ کہ (یہود کے) علماء وصوفیاء انہیں گناہ اور جھوٹ کی بات کہنے اور حرام کھانے (سود خوری) سے کیوں منع نہیں کرتے رہے؟؟؟ —— گویا علماء و

صوفیاء کے کرنے کا اصل اور اہم ترین کام ''نہی عن المنکر'' ہے اور اس سے پہلو تہی ناقابل تلافی جرم ہے۔

قرآن حکیم سے یہ رہنمائی بھی ملتی ہے کہ امت میں ایک گروہ تو ایسا ضرور ہونا چاہئے کہ جو دعوت الی الخیر' امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دیتا رہے (سورۂ آل عمران: آیت ۱۰۴)۔ یوں تو ایک مقام پر امت کی تاسیس وتشکیل کا اصل مقصد اسی فریضہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو قرار دیا گیا' لیکن اوپر درج کردہ آیت میں واضح راہنمائی موجود ہے کہ اگر کوئی اسلامی حکومت اپنی اس ذمہ داری کو صحیح طور پر ادا نہ کرے تو پھر کوئی ایک طبقہ یا ایک گروہ لازماً ایسا ہونا چاہئے جو اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے سرگرم عمل ہو جائے۔ ایک حدیث مبارکہ میں بڑی شدید وعید آئی ہے کہ اگر ایسا نہ ہوا تو پورا معاشرہ تباہ و برباد ہو کر رہ جائے گا۔ ایک حدیث میں تو یہاں تک فرمایا:

عَنْ حُذَیْفَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ : ((وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِهٖ لَتَاْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ اَوْ لَیُوْشِكَنَّ اللّٰهُ اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْكُمْ عِقَابًا مِنْهُ ثُمَّ تَدْعُوْنَهٗ فَلَا یُسْتَجَابُ لَكُمْ))

رواه الترمذی وقال : حدیثٌ حسنٌ

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' تمہیں لازماً نیکی کا حکم دینا ہوگا اور تمہیں لازماً بدی سے روکنا ہوگا' ورنہ پھر اس کا شدید اندیشہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر اپنی جانب سے ایک بڑا شدید عذاب بھیجے گا' پھر تم اسے پکارو گے لیکن تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی''۔

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے ملک میں دینی طبقات اور دینی جماعتوں کا اصل کام فریضۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ادائیگی ہے۔ دینی جماعتوں کو ایک مضبوط پریشر گروپ کے طور پر کام کرنا ہوگا اور منکرات کے خلاف آہنی چٹان بن جانا ہوگا۔ کیا ہماری دینی جماعتوں نے قرآن کے معین کردہ اس رول کو ادا کرنے کی جانب

خاطر خواہ توجہ کی؟ ہماری دینی سیاسی جماعتوں نے جب بھی کوئی ملک گیر تحریک چلائی' جمہوریت کی بحالی کے لئے چلائی یا کسی آمر کی ٹانگ گھسیٹنے کے لئے چلائی۔ کیا دینی طبقات کو آج تک یہ توفیق ہوئی کہ منکرات کے خلاف پوری قوت کے ساتھ میدان میں آتے اور منکرات وفواحش کے سیلاب کا رخ موڑنے کی کوشش کرتے؟

واضح رہے کہ علماء کرام اور دینی طبقات کے لئے قرآن حکیم کا یہ معین کردہ رول اصلاً ان حالات کے لئے ہے جب ملک میں دین وشریعت اور اس کے قوانین کا نفاذ ایک قابل ذکر حد تک موجود ہو لیکن حکمران طبقہ اپنی دینی ذمہ داری ادا نہ کر رہا ہو جس کے باعث معاشرے میں منکرات اور فواحش پھیل رہے ہوں۔ لیکن اگر سرے سے دین وشریعت کا نفاذ ہی کسی ملک میں نہ ہو' تو وہاں تمام مسلمانوں کی اور بالخصوص دینی طبقات کی اہم ترین اور اولین ذمہ داری نفاذ شریعت کی جدوجہد ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کے کسی معاشرے میں شریعتِ الٰہی اور دین حق کا قیام و نفاذ سرے سے موجود نہ ہو' وہاں اجتماعی نظام کی سطح پر غیر اسلامی اور باطل قوانین نافذ العمل ہوں' عدالتوں میں فیصلے شریعتِ الٰہی کی بجائے غیر اللہ کے بنائے ہوئے اصول وقوانین کی روشنی میں ہوتے ہوں تو وہاں مسلمانوں کی اولین اور اہم ترین ذمہ داری دین حق کے غلبہ وقیام کی جدوجہد ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اس ذمہ داری کا بھی بڑا بوجھ علماء کرام' رجال دین اور دینی طبقات ہی کے کندھوں پر آتا ہے' اس لئے کہ علماء کرام اگر کتاب الٰہی اور علوم دینی کے وارث شمار ہوتے ہیں تو دینی طبقات دین وشریعت کی علمبرداری کے دعوے کے ساتھ میدان میں آتے ہیں۔ لامحالہ اس دینی ذمہ داری کا بھی بڑا بوجھ انہی کے کندھوں پر آتا ہے۔

سورۃ المائدہ قرآن حکیم کی وہ عظیم سورۂ مبارکہ ہے جس میں دین وشریعت کی تکمیل کا اعلان وارد ہوا ہے۔ اسی سورۂ مبارکہ کی آیات ۴۴ تا ۴۷ میں مسلمانوں کو بالواسطہ طور پر سخت ترین الفاظ میں تنبیہ بھی کر دی گئی کہ تکمیل شریعت الٰہی کی صورت میں تم پر اللہ کا جو احسان عظیم ہوا ہے اس کا تقاضا محض اس سے پورا نہیں ہوگا کہ اس وحیٔ

آسمانی کی بس تلاوت کر لی جائے یا اسے محض ریسرچ اور تحقیق کا موضوع بنا کر ''علمی مقالات'' لکھ لئے جائیں' بلکہ اس نعمت کا حق ادا کرنا تبھی ممکن ہو گا جب اللہ کے عطا کردہ دین وشریعت کے مطابق پورا اجتماعی نظام استوار کیا جائے جس میں ہر نوع کے عدالتی فیصلے اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق ہوں۔ چنانچہ فرمایا: ''اور جو لوگ اللہ کی نازل کردہ شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں'..... وہی ظالم ہیں..... اور وہی فاسق و باغی ہیں۔'' اللہ کے اس اٹل فیصلے اور بے لاگ فتوے کے بعد بھی یہ گمان کرنا کہ دین کی مغلوبیت کے دور میں دین وشریعت کے غلبہ و اقامت کی جدوجہد ایک مسلمان کا دینی فریضہ نہیں ہے بلکہ محض تسبیح ومناجات اور ذاتی عبادت یا محض تعلیم وتعلّم کے ذریعے بھی دینی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا ممکن ہے' قرآن کی واضح تعلیمات سے انحراف کے مترادف ہے۔ یہ طرز فکر مذہب ملا و جمادات ونباتات تو کہلا سکتا ہے' مسلکِ مردانِ خود آگاہ وخدامست ہرگز قرار نہیں دیا جا سکتا۔ بقول اقبال۔

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مسلکِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہبِ ملا و جمادات و نباتات!

سورۃ المائدہ کی آیت ۶۸ میں یہ فرما کر کہ: ''اے اہل کتاب! تمہاری کوئی بنیاد نہیں ہے جب تک تم توراۃ اور انجیل اور جو کچھ اللہ نے نازل کیا' اسے قائم نہیں کرتے'' اس حقیقت کو مزید واضح کر دیا گیا کہ وہ مسلمان امت جو اللہ کے عطا کردہ دین وشریعت کو نافذ و قائم نہ کرے' اللہ کی نگاہ میں پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتی..... یہ وہ اجتماعی جرم ہے جس کا کفارہ افراد کی ذاتی عبادت اور تقویٰ وطہارت نہیں بن سکتی۔ ایسی قوم اور ایسی امت' اللہ کی رحمت کی مستحق کیونکر ہو سکتی ہے جو شریعت الٰہی کی حامل ہونے کے باوجود اس شریعت کو قائم و نافذ نہ کرے..... اللہ تعالیٰ ایسی امت کو own کرنے کا قطعاً روادار نہیں ہے جو اس کے دین وشریعت سے غداری و

بے وفائی کا معاملہ کرے۔

ان آیات مبارکہ کی روشنی میں اس چبھتے ہوئے سوال کا جواب بھی بسہولت مل جاتا ہے کہ ایسا کیوں ہے کہ ؎

رحمتیں ہیں تری اغیار کے کاشانوں پر
برق گرتی ہے تو بے چارے مسلمانوں پر

کہ روئے ارضی پر اللہ کی نمائندہ امت ہوتے ہوئے اگر ہم اس کی نمائندگی کا حق ادا نہ کریں، یعنی اس کے عطا کردہ دین وشریعت کو قائم ونافذ نہ کریں بلکہ اپنے عمل اور کردار سے اس امر کا ثبوت فراہم کریں کہ اللہ کا دین آج کے دور میں قابل عمل اور اس کی شریعت قابل نفاذ نہیں ہے تو پھر قانون الٰہی یہی ہے کہ ہم دنیا میں اللہ کے غضب کا نشانہ بنیں گے اور عذاب الٰہی کے سائے مسلسل ہمارے سروں پر منڈلاتے رہیں گے، تا آنکہ ہم اس جرم عظیم کی تلافی کا سامان نہ کرلیں۔

خلاصہ بحث یہ کہ دین وشریعت اگر کسی معاشرے میں قائم ونافذ نہ ہوں تو وہاں بسنے والے مسلمانوں بالخصوص دینی طبقات کی اہم ترین اور مقدم ترین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ شریعت الٰہی کے نفاذ اور دین حق کے قیام کی سرتوڑ جدوجہد کریں۔ ایسے حالات میں اگر کوئی دینی جماعت غلبہ واقامت دین اور نفاذ شریعت کی جدوجہد سے صرف نظر کرتے ہوئے کسی مخصوص فقہی مسلک کی دعوت لے کر اٹھے یا ''نہی عن المنکر'' سے گریز کرتے ہوئے محض وعظ ونصیحت ہی کو اپنا مقصود قرار دے بیٹھے یا تعلیم وتعلّم اور علمی موشگافیوں ہی کو اپنی آخری منزل قرار دے کر یہ سمجھے کہ اس نے اپنا دینی فریضہ یا دینی ذمہ داری ادا کردی ہے تو ایسی جماعت اور اس کے افراد یا تو کسی غلط فہمی میں مبتلا ہیں یا پھر خود فریبی کا شکار ہیں۔ اعاذنا اللّٰہ من ذٰلک!

اسلام کا خاندانی نظام اور اس میں مَرد کی قوّامیت

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد

کے سورۃ النساء کے سلسلہ وار درسِ قرآن کی ایک نشست

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَاسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۝ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ؕ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِيْدًا ۝ اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ۝ ﴾ (النساء: ۳۲۔۳۵)

سورۃ النساء کے سلسلہ وار درس میں ہم نے اب تک جو آیات پڑھی ہیں ان کا غالب حصہ خواتین کے حقوق کے تحفظ' اُن پر ظلم و تعدی کے سدّ باب اور ان کے ساتھ حسنِ معاشرت' محبت' نرمی اور دل جوئی کی تاکید پر مشتمل ہے۔ اب اس مسئلے کا ایک دوسرا رخ سامنے آ رہا ہے اور وہ یہ کہ آیا مَرد اور عورت دونوں ہر اعتبار سے مساوی ہیں

یا ان کے مابین کوئی فرق و امتیاز ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جدید تہذیب نے بہت بڑے بڑے فتنے اٹھائے ہیں' مثلاً سیاسی سطح پر اللہ کی حاکمیت کے بجائے عوام کی حاکمیت کا تصور دیا گیا ہے۔ یہ اِس دَور کا سب سے بڑا فتنہ ہے اور اللہ کے خلاف سب سے عظیم بغاوت ہے۔ دوسرا بڑا فتنہ معاشی میدان میں اٹھایا گیا ہے کہ دو سب سے بڑی حرام اشیاء (سود اور جوا) کو معاشی اور اقتصادی نظام میں پرو کر رکھ دیا گیا ہے کہ آج ان کے بغیر اقتصادیات کا تصور ہی نہیں ہے اور جدید سرمایہ دارانہ معیشت ان کے بغیر چل ہی نہیں سکتی۔ تیسرا سب سے بڑا فتنہ مساواتِ مَرد و زن یا Feminism کے نام پر اٹھایا گیا ہے جس کے لئے بہت شدت کے ساتھ عالمی سطح پر پروگرام چلایا جا رہا ہے۔ یہ فتنہ مَرد و زن کی برابری کا علم بردار ہے کہ ان دونوں میں کسی پہلو سے کوئی فرق نہیں۔ یہ اس دَور کا سب سے عظیم فتنہ ہے اور دجالیت کے فتنوں میں سب سے بڑھ کر ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ دجال کا آخری وار اسی اعتبار سے ہوگا اور آخر میں اس کی پیروی کرنے والے لوگوں میں عظیم اکثریت عورتوں کی ہوگی۔ چنانچہ ایک مؤمن مَرد اپنی بیوی کو' اپنی بہن کو' اپنی ماں کو اور اپنی بیٹی کو گھر میں جکڑ کر رکھے گا لیکن وہ گھر سے نکلنے کی کوشش کریں گی اور باہر جا کر دجال کی پیروی کریں گی۔ ہم آج کل اس فتنے سے پوری شدت سے دوچار ہیں۔

آج کے درس کا عنوان ہے ''اسلام کا خاندانی نظام اور اس میں مَرد کی قوامیت''۔ اسلام کا فلسفہ اعتدال پر مبنی ہے۔ بعض اعتبارات سے اسلام تسلیم کرتا ہے کہ مَرد اور عورت برابر ہیں' ان میں کوئی فرق نہیں' لیکن بعض اعتبارات سے وہ ان میں فرق کرتا ہے۔ کچھ روز قبل روزنامہ جنگ میں عرب کے چھ علماء کا ایک مشترک مضمون شائع ہوا تھا اور وہ چھ کے چھ عرب کے معتدل (moderate) علماء میں سے سمجھے جاتے ہیں' کٹر اور دقیانوسی علماء میں ان کا شمار نہیں ہوتا۔ اس مضمون میں انہوں نے فتوے کی زبان اور کرخت لہجہ کا استعمال نہیں کیا' بلکہ بڑی خوبصورتی اور دلجوئی کے ساتھ نرم انداز میں خواتین اور مَردوں کو سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ فلاں فلاں پہلوؤں سے مَرد اور

عورت کی مساوات مسلّم ہے' لیکن انہوں نے واضح کیا ہے کہ اس مساوات کے باوجود مَرد اور عورت کے مابین مشابہت نہیں ہے' بلکہ فرق ہے۔ مثلاً ان کے جسمانی نظام کا فرق ہے' نفسیاتی نظام کا فرق ہے۔ چنانچہ دونوں کو ایک ہی قسم کے کام سونپ دینا درحقیقت فطرت کے خلاف اقدام ہے۔ یہ ان کا داعیانہ اور مخلصانہ انداز ہے۔ اگرچہ اس نرم لہجہ کی وجہ سے میں سمجھتا ہوں کہ معاملہ پوری وضاحت سے سامنے نہیں آ سکا' تاہم یہ اس موضوع پر ایک عمدہ اور موڈریٹ تحریر ہے۔

یہ مسئلہ بڑا ٹیڑھا ہے کہ عورت اور مَرد میں کوئی فرق ہے یا نہیں اور ان میں سے کسی کو کسی پر فضیلت ہے یا نہیں؟ اس لئے کہ عورت بھی انسان ہے اور بعض چیزوں میں انسان ہونے کے ناطے عورت اور مَرد برابر ہیں۔ شرفِ انسانیت عورت اور مَرد دونوں کو حاصل ہے۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۹۵ میں فرمایا گیا ہے: ﴿بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ﴾ ''تم ایک دوسرے میں سے ہی تو ہو''۔ تم میں فرق کیسے ہوگا؟ ایک ہی باپ کے نطفے سے بیٹی بھی ہے' بیٹا بھی۔ ایک ہی ماں کے رحم میں بیٹی نے بھی پرورش پائی ہے اور بیٹے نے بھی۔ تو تم لوگ اس شرفِ انسانیت کے اعتبار سے برابر ہو۔ پھر اخلاقی اعتبار سے عورت جو نیکی کمائے گی وہ اسی کے لئے ہوگی۔ اور مَرد جو نیکی کمائے گا وہ اسی کے لئے ہوگی۔ عورت نے کوئی غلط کام کیا تو اس کا وبال اس پر آئے گا اور مَرد جو غلط کام کرے گا اس کا وبال اس پر آئے گا۔ صرف نبوّت و رسالت کا منصب جو بہت کٹھن ذمہ داریوں پر مشتمل ہوتا ہے' وہ اس صنفِ ضعیف پر نہیں ڈالا گیا' باقی صدیقیت' شہادت اور صالحیت' یہ تمام مقام مَردوں کے لئے بھی ہیں اور عورتوں کے لئے بھی۔ بلند سے بلند تر مرتبے کا ولی اللہ اگر مَرد ہو سکتا ہے تو بلند مرتبہ ولیۃ اللہ کی کوئی بندی ہو سکتی ہے۔ بصرہ سے اگر حسن بصریؒ ہوئے ہیں تو وہیں سے رابعہ بصریؒ بھی ہوئی ہیں۔ روحانی اعتبار سے دونوں بلند سے بلند مقامات حاصل کر سکتے ہیں۔ علمی اعتبار سے بھی ((طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ)) کی رو سے جس طرح مسلمان مَرد پر علم حاصل کرنا فرض ہے اسی طرح مسلمان عورت پر بھی فرض ہے۔ ان تمام چیزوں

کے بارے میں متذکرہ بالا مضمون میں تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔ پہلے انہوں نے وہ تمام چیزیں گنوا دی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے مَرد اور عورت کو برابر تسلیم کیا ہے اور پھر وہ پہلو سامنے لائے ہیں جن کے اعتبار سے ان کے مابین فرق ہے۔

جب یہ مسئلہ سامنے آتا ہے کہ ان دونوں میں فرق بھی ہے اور افضلیت بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے مَرد کو دی ہے تو یہ چیز عورت کو فطری طور پر تلخ محسوس ہوتی ہے۔ اس کے احساسات اس بات کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے کہ مَرد اُس سے افضل ہے۔ وہ کہتی ہے کہ میں مَرد کو کس اعتبار سے افضل مانوں اور میں کیوں مَرد کو اپنے اوپر حاکم تسلیم کروں؟ وہ بھی انسان ہے' میں بھی انسان ہوں۔ چنانچہ ہماری بعض درس کی رفیقات کی بات بھی میرے سامنے آئی ہے کہ ڈاکٹر صاحب! یہ مَرد پہلے ہی بڑے ظالم ہیں' آپ ان کو اور چڑھا رہے ہیں' ان کی مزید حوصلہ افزائی ہو رہی ہے' یہ تو پہلے ہی ہمارے حقوق ادا نہیں کر رہے ہیں۔ یہ بات صحیح ہے کہ اسلام نے عورتوں کو جو حقوق دیئے ہیں وہ اکثر و بیشتر ہم نہیں دیتے اور اس وجہ سے ان کی شکایت بجا ہے' لیکن چونکہ میں تو درسِ قرآن دے رہا ہوں لہٰذا اس میں جو مضمون بھی جس اہمیت اور شدّومدّ کے ساتھ آئے گا مجھے تو اسی طرح ظاہر کرنا ہے۔ میری وفاداری قرآن کے ساتھ ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ)) یعنی دین تو نام ہی خیر خواہی اور وفاداری کا ہے۔ قِیْلَ لِمَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ؟ پوچھا گیا: اے اللہ کے رسول! کس کی وفاداری اور خیر خواہی؟ فرمایا: ((لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ)) ''اللہ کی' اُس کی کتاب کی' اُس کے رسول کی' اہل اسلام کے امراء کی اور عام مسلمانوں کی''۔ اس حدیث میں اللہ کے بعد اُس کی کتاب کا ذکر آیا ہے' رسول کا ذکر کتاب کے بعد ہے۔ اللہ کی کتاب کے ساتھ وفاداری کا تقاضا یہ ہے کہ کتاب جو کہہ رہی ہے اسے پورے اخلاص اور وفاداری کے ساتھ (faithfully) لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ اس میں زمانے کے تقاضوں کی وجہ

بعینہٖ وہی ہو جو قرآن مجید میں آئی ہے۔

بعض اعتبارات سے عورت پر مَرد کی فضیلت چونکہ ایک تلخ بات ہے اور انسانی احساسات کو سب سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے' لہٰذا اس مسئلہ کی طرف اشارہ سورۃ البقرۃ ہی میں کر دیا گیا تھا جہاں کچھ خانگی قوانین دیئے گئے تھے۔ اس میں یہ معاملہ آیا تھا کہ اگر کسی مَرد نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دے دی ہے' یعنی ایک یا دو طلاقیں دی ہیں' تیسری طلاق کی نوبت نہیں آئی' تو عدت کے دوران مَرد کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ طلاق واپس لے لے اور عورت کو اپنے گھر ہی میں رکھے۔ فرمایا: ﴿وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا﴾ (آیت ۲۲۸) ''ان کے شوہر زیادہ حق دار ہیں کہ وہ انہیں روک لیں (اور اپنی طلاق کو لوٹا لیں) اس مدت (یعنی عدت) کے اندر اندر اگر وہ اصلاح چاہتے ہوں''۔ یعنی اگر وہ واقعتاً تعلقات درست کر لینے پر آمادہ ہوں۔ یہ نہ ہو کہ انہیں ستانے اور تنگ کرنے کے لئے روک لیں کہ اگر یہ میرے گھر سے نکل گئی تو پھر میں اسے کیسے ستاؤں گا۔ اگر نیت خراب ہے تو بات اور ہے۔ لیکن اس نیت کا معاملہ تو اللہ اور اس کے بندے کے درمیان ہے' قانون نیت سے بحث نہیں کر سکتا' چنانچہ قانون یہی ہے کہ اگر ایک یا دو طلاقیں دی ہوں تو عدت کے عرصے کے دوران مَرد طلاق واپس لے سکتا ہے۔ اس میں بھی چونکہ عورت کو ایک بے عزتی کا سا احساس ہوتا ہے کہ اختیارات برابر نہیں ہیں' تو وہاں فرمایا: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ''ان (عورتوں) کے لئے بھی معروف طریقے پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے ان کی ذمہ داریاں ہیں''۔ عورت کی ذمہ داری کیا ہے؟ یہ اپنی جگہ پر علیحدہ مسئلہ ہے۔ مَرد کی ذمہ داریاں کیا ہیں؟ یہ سب آج کے درس میں آئے گا۔

یہاں ڈھکے چھپے انداز میں بات کہی جا رہی ہے کہ مَرد کی ذمہ داریاں اور ہیں' اس اعتبار سے اس کے اختیارات بھی اور ہوں گے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ذمہ داری (responsibility) کے ساتھ اگر طاقت (power) اور اختیار (authority) نہ ہو تو ذمہ داری ادا نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ﴾ کہ ان کے

حق میں بھی ویسے ہی معاملات ہیں جیسی کہ ان کی ذمہ داریاں ہیں۔ لام (ل) حق کے لئے آتا ہے اور علٰی ذمہ داری اور مسئولیت کے لئے۔ اس کے ساتھ ہی بڑے دھیمے انداز میں اللہ تعالیٰ نے ایک بات اور بھی کہہ دی ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ ''البتہ مَردوں کو عورتوں پر ایک درجہ (فضیلت) حاصل ہے''۔

دیکھئے بڑے نرم انداز میں بات کہی گئی ہے۔ پہلے تو الفاظ وہ استعمال کئے کہ یہاں دونوں ترجمے ممکن ہیں۔ چنانچہ بعض مترجمین نے یہ ترجمہ بھی کیا ہے کہ ''ان کے بھی مَردوں پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مَردوں کے حقوق ان پر ہیں''۔ لیکن میں اس ترجمے کو صحیح نہیں سمجھتا۔ ''لام'' اور ''علٰی'' کا استعمال عربی جاننے والا ہر شخص جانتا ہے۔ ایک حدیث کے الفاظ ہیں ((اَلْقُرْآنُ حُجَّةٌ لَکَ اَوْ عَلَيْکَ)) یعنی قرآن یا تمہارے حق میں حجت ہے یا تمہارے خلاف استغاثہ لے کر آئے گا۔ تو ''لَهُنَّ'' اور ''عَلَيْهِنَّ'' کا لحاظ کرتے ہوئے ترجمہ یہ ہوگا کہ ان کے حقوق ہیں ویسے ہی جیسے کہ ان کی ذمہ داریاں ہیں۔ لیکن چونکہ دوسرے ترجمہ کا بھی امکان موجود ہے لہٰذا میں کہہ رہا ہوں کہ یہ شوگر کوٹڈ الفاظ ہیں۔ تاہم ایک جگہ سے تھوڑی سی شوگر اتار دی گئی اور صاف صاف بتلا دیا گیا: ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ ''اور مَردوں کو ان پر ایک درجہ (فوقیت کا) حاصل ہے''۔ ﴿وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ''اور اللہ زبردست ہے' حکمت والا ہے''۔ وہ زبردست ہے' لہٰذا جو چاہے حکم دے' جو چاہے کسی کا حق مقرر کر دے اور جو چاہے کسی کی ذمہ داری معین کر دے۔ لیکن اس کا یہ سارا اختیار حکمت کے ساتھ ہے۔ وہ زبردست بھی ہے اور نہایت حکیم بھی۔

جیسا کہ آپ نے دیکھا' احکامِ شریعت کا ابتدائی خاکہ (بلیو پرنٹ) سورۃ البقرۃ میں آیا ہے۔ چنانچہ وہاں شراب کے بارے میں فرمایا: ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ﴾ (آیت ۲۱۹) ''یہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں دریافت کرتے ہیں۔ کہہ دیجئے: ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے' اگرچہ ان میں لوگوں کے لئے کچھ

منافع بھی ہیں' مگر ان کا گناہ ان کے فائدے سے زیادہ ہے''۔ بات یہیں چھوڑ دی' ابھی حرام ہونے کی بات نہیں کی۔ اس کے بعد سورۃ النساء میں الفاظ آ گئے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ (آیت ۴۳) ''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب مت جاؤ''۔ اس سے بہت سے لوگوں کو اندازہ ہو گیا کہ اب اس کی حرمت آ کر رہے گی' چنانچہ انہوں نے حرمت کا حتمی حکم آنے سے پہلے ہی اسے چھوڑ دیا۔ لیکن ابھی بہت سے لوگ ''چھٹتی نہیں ہے مُنہ سے یہ کافر لگی ہوئی!'' کے مصداق اسے پیتے رہے۔ پھر اس کے ضمن میں آخری حکم سورۃ المائدۃ میں آ گیا: ﴿فَاجْتَنِبُوْهُ﴾ ''اس سے باز آ جاؤ!'' مزید فرمایا: ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ ''کیا اب باز آتے ہو کہ نہیں؟'' (آیات ۹۰'۹۱) تو یہ تدریجاً ہوا ہے۔ اسی طرح یہ مساواتِ مَرد و زن کا جو فلسفہ ہے اس کی نفی بھی تدریجاً کی گئی ہے اور بالآخر مَرد کی قوّامیت کے مسئلے کو واضح کیا گیا۔ چنانچہ ہم نے دیکھا کہ اس کا بیج تو سورۃ البقرۃ ہی میں ڈال دیا گیا: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ﴾

اب یہاں سورۃ النساء میں اس کے لئے از سرِ نو تمہید باندھی جا رہی ہے۔ چنانچہ آیت ۳۲ میں فرمایا: ﴿وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ﴾ ''اور تمنا نہ کرو اُس چیز کی جس کے ذریعے اللہ نے تم میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے''۔ یہ خلقی اور وہبی قسم کی فضیلتیں ہیں کہ کسی کو سرخ و سفید پیدا کر دیا تو کسی کو سیاہ فام پیدا کر دیا۔ اب اس بارے میں آدمی کڑھتا رہے کہ یہ کیا ہو گیا' کیوں ہو گیا' مجھے حبشی کیوں بنا دیا اور اس کو سرخ رو کیوں بنا دیا' تو اس کا کیا فائدہ؟ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' اس میں کسی کا کوئی دخل نہیں ہے۔ اس نے کسی کو خوبصورت بنا دیا' کسی کو بدصورت بنا دیا' کسی کو پیدائشی طور پر ہی نابینا یا معذور بنا دیا۔ کسی کو بہت زیادہ ذہانت دے دی' کسی کو نہیں دی۔ اسی طرح کسی کو جسمانی صحت زیادہ دے دی' کسی کو نہیں دی۔ ایسے ہی کسی کو مَرد بنایا اور کسی کو عورت بنایا۔ یہ بھی ایک ایسا ہی معاملہ ہے جو اللہ کی طرف سے ہے۔

کرسکتی ہے' شوہر اسے اس پر مجبور نہیں کرسکتا' اس لئے کہ اولاد شوہر کی ہے' اولاد کی کفالت اور خود اس کی کفالت کی ذمہ داری شوہر کی ہے' وہ چاہے تو خرچ کرے گی' نہ چاہے تو نہیں کرے گی' اپنے پاس رکھے گی۔ پھر اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرنا بھی اسی کے ذمے ہوگا' شوہر کے ذمے نہیں ہوگا۔ اسے جہیز میں جو زیورات ملے ہیں ان کی زکوٰۃ دینا بھی اس کے ذمے ہے' کیونکہ وہ اس کی ملکیت ہیں' شوہر زبردستی اس کا زیور نہیں لے سکتا۔ وہ اسے مجبور نہیں کرسکتا کہ اپنا زیور بیچ دو' فلاں ضرورت ہے' مکان بنانا ہے۔ عورت کا اختیار ہے' اپنی مرضی سے وہ کہے کہ ہاں لے لو تو یہ بات حسن معاشرت کے قبیل سے ہوگی۔ لیکن اسلام کی روح یہ ہے کہ عورت پر معاش کی ذمہ داری سرے سے ہے ہی نہیں' بلکہ اس پر بچوں کی نگہداشت اور پرورش کی ذمہ داری ہے۔ اور آج مغرب بھی یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوگیا ہے کہ "Staying at home moms" یعنی وہ مائیں کہ جو گھر پر رہتی ہیں' دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہیں۔ ورنہ شوہر کا حق ادا ہوسکتا ہے نہ بچوں کا۔ اگر عورت صبح سے شام تک کسی دفتر میں یا کسی کارخانے میں کام کرکے گھر آتی ہے تو وہ ایگزاسٹ ہوچکی ہوتی ہے۔ بچے بارہ ایک بجے سکول سے آگئے' نہ انہیں گھر پر ماں ملی نہ باپ ملا' کون ان کو شفقت سے خوش آمدید کہے۔ وہ آئیں گے' ان کے پاس بھی گھر کی چابیاں ہوں گی' آکر جو چاہیں گے دنگا فساد کریں گے' کھائیں گے پئیں گے' جنسی اختلاط میں مبتلا ہوجائیں گے۔ یہ سب مغرب میں ہورہا ہے۔ اس لئے کہ نگرانی تو ہے ہی نہیں۔ شام کو شوہر بھی تھکا ہارا آئے گا' بیوی بھی تھکی ہاری آئے گی' آپس میں تو تو میں میں کریں گے۔ ان کے درمیان محبت کہاں سے آجائے گی؟ شوہر اپنی بیوی کے ناز نخرے کیسے برداشت کرے گا اور بیوی شوہر کے ناز نخرے کیسے برداشت کرے گی؟ دونوں تھکے ہوئے ہیں' دونوں کے پارے چڑھے ہوئے ہیں۔ ہوسکتا ہے ایک ہی دن میں دونوں کے Bosses نے دونوں کو ڈانٹا ہو اور وہ اس کے اثرات لے کر گھر میں آئیں۔

اسلام جو خاندانی نظام چاہتا ہے وہ یہ ہے کہ عورت گھر میں بیٹھے ﴿وَقَرْنَ فِیْ

بُیُوْتِکُنَّ ﴾—— آج مغرب نے "Staying at home moms" کی جو اصطلاح اختیار کی ہے یہ اسلام کے خاندانی نظام ہی سے مستعار لی ہے۔ وہ ماں جو گھر میں رہتی ہے اس نے صبح ہی صبح بچوں کو تیار کر کے مدرسے بھیجا ہے' اس کے بعد کچھ ناشتہ وغیرہ کرنے کے بعد اس کو ایک آدھ گھنٹہ آرام کا بھی مل گیا' پھر اٹھ کر گھر کی دیکھ بھال کی' پھر دوپہر کے کھانے کا بندوبست کیا۔ پھر بچے سکول سے آ رہے ہیں' ان کو وہ کس شفقت و محبت سے کھلائے گی' اس لئے کہ اسے ریلیف مل گیا تھا۔ اس کے بعد اسے پھر کچھ وقت آرام کا مل گیا۔ یا پھر وہ کپڑے دھوتی ہے یا گھر کا کوئی اور کام کرتی ہے۔ شام کو شوہر گھر آتا ہے تو مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کرتی ہے۔ اس کے جوتے اور جرابیں بھی اتارتی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ چیزیں باہمی مودّت کا باعث بنتی ہیں۔ شوہر چونکہ تھکا ہوا ہوتا ہے' نہ معلوم کن حالات میں وہ دن بھر رہا ہے' تو اس طرح اس کی دل جوئی ہو جاتی ہے۔ چنانچہ یہ آئیڈیل خاندانی نظام ہے۔

قانونی طور پر عورت کو اختیار حاصل ہے' وہ چاہے تو ملازمت کر سکتی ہے' لیکن اس میں ستر و حجاب کے احکام کو نہیں توڑا جائے گا۔ میں تو کہا کرتا ہوں کہ عورتوں کے لئے علیحدہ انڈسٹریل یونٹس بنا دیئے جائیں' عورتیں وہاں جائیں اور کام کریں' عورتیں ہی وہاں پر سپروائز کر رہی ہوں' عورتیں ہی انتظامی امور چلا رہی ہوں۔ اور ان کے اوقاتِ کار کم رکھے جائیں تاکہ وہ گھریلو ذمہ داریاں بھی ادا کر سکیں۔ ان کی شفٹیں آٹھ کی بجائے چار گھنٹے کی رکھی جائیں اور اسی حساب سے ان کی تنخواہ ایڈجسٹ کی جائے۔ جب اختیار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آئے گا جو اسلام کو اُس کی روح اور قانون (Letter and Spirit) دونوں اعتبار سے نافذ کرنا چاہیں گے تو کسی بھی قسم کی کوئی رکاوٹ نہیں ہو گی۔ یہ ۱۹۸۲ء تا ۱۹۸۴ء کی بات ہے کہ میں نے پروفیسر وارث میر صاحب جو اُن دنوں شعبہ ابلاغیات کے چیئرمین تھے' کے اخباری کالم کے جواب میں انہیں چیلنج کیا تھا کہ آیئے مجھ سے بات کیجئے کہ اسلام عورتوں کی ملازمت میں کہاں رکاوٹ ڈالتا ہے۔ صرف ایک شرط ہے کہ مَرد و زن کا اختلاط نہیں ہونا چاہئے'

seggregation ہونی چاہئے۔ مَردوں کے ہسپتال الگ ہوں‘ عورتوں کے الگ۔ مردوں کے ہسپتالوں میں مَرد ڈاکٹر ہوں‘ مَرد نرس(male nurses) ہوں اور مَرد ہی مریض ہوں۔ اسی طرح عورتوں کے ہسپتالوں میں لیڈی ڈاکٹرز‘ لیڈی نرس اور باقی پورا عملہ بھی عورتوں پر ہی مشتمل ہو۔ ان کے درمیان اختلاط خطرناک ہے‘ یہ ختم ہونا چاہئے۔

میں عرض کرتا ہوں کہ ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ﴾ کا جو ترجمہ جدید دانشور کرتے ہیں میں وہ بھی قبول کرنے کو تیار ہوں‘ اگرچہ میں ثابت کرسکتا ہوں کہ اس سے مراد یہاں نیکی اور بدی ہے‘ دُنیوی کمائی نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ دُنیوی کمائی کے بارے میں نصیب (ایک حصّہ) کہنا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ آپ کی تنخواہ پانچ ہزار ہے تو آپ اتنی ہی گھر لے کر آئیں گے‘ اس کا ایک حصّہ تو لے کر نہیں آئیں گے۔ اسی طرح کسی خاتون نے مضاربت پر رقم دے رکھی تھی‘ اس پر جو نفع آیا ہے وہ پورے کا پورا آئے گا‘ اس میں کمی تو نہیں ہوگی۔ پس نصیب کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہاں ''کسب'' سے نیکی اور بدی مراد ہے۔ اس لئے کہ نیکی اور بدی خاص حالات میں کی جاتی ہے۔ کسی وقت نیکی کا درجہ بہت بڑا ہو جاتا ہے جبکہ ناموافق حالات میں کی جائے۔ کسی وقت نیکی ایسے حالات میں کی جاتی ہے جہاں نیکی کرنا بہت آسان ہوتا ہے‘ چنانچہ اس کا اجر وثواب بھی اسی قدر کم ملے گا۔ پھر ہماری نیتوں کے خلوص کا بھی لحاظ کیا جاتا ہے۔ خلوص کی کمی بیشی اجر میں کمی بیشی کا باعث بنتی ہے۔ ایک نیکی وہ ہے جو بالکل خلوص سے کی جارہی ہے‘ اس کے آپ کو سو فیصد نمبر مل جائیں گے۔ لیکن اگر کہیں تھوڑی بہت ریاکاری بھی شامل ہوگئی تو ظاہر ہے کہ اس کے حساب سے نمبر کم ہو جائیں گے۔ اگر خالص ریاکاری ہے تو پھر آپ کے زیرو نمبر ہوں گے۔ لہٰذا فرمایا گیا: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوا﴾ ''مَرد جو (نیکی یا بدی) کمائیں گے اس میں سے انہیں حصّہ ملے گا'' ﴿وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ﴾ ''اور عورتوں کو حصّہ ملے گا اس (نیکی یا بدی) میں سے جو وہ کمائیں گی''۔

آگے بڑا پیارا جملہ آ گیا: ﴿وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ''تم اللہ سے اس کے فضل کی درخواست کرو''۔ تمہیں عورت بنا دیا ہے تو نیک اور صالح عورت بن جاؤ۔ عورتوں میں حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کا جو مقام ہوگا اسے کتنے ہی جلیل القدر مسلمان رشک کی نگاہ سے دیکھیں گے۔ اسی طرح حضرت مریم اور حضرت آسیہ کا اللہ کے نزدیک کیا مقام ہوگا! پھر حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت فاطمۃ الزہراؓ بھی عورتیں ہی تھیں نا! اس لئے کہا گیا: ﴿وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ''اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو!'' فضل اس اعتبار سے بھی ہوسکتا ہے کہ آپ کے اندر نیکی اور روحانیت زیادہ ہو، تقویٰ اور علم زیادہ ہو۔ یہ اکتسابی فضیلتیں ہیں، تم اللہ سے ان فضیلتوں کی تمنا اور آرزو کرو۔ خلقی چیزوں کو اللہ پر چھوڑ دو، جو اُس نے تمہارے لئے مناسب سمجھا وہ دے دیا۔ ﴿فِیْ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ﴾ جس شکل میں بھی چاہا تمہاری ایک تصویر بنا دی، تمہارے اعضاء و جوارح بنائے، جیسا چاہا تمہارا ایک نقشہ کھینچ دیا۔ یہ اس کا اختیار ہے۔ جو چاہا، جس شکل میں چاہا تمہارے اعضاء کو جوڑ کر تمہاری صورت بنا دی۔ تو ﴿وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ ''اللہ سے اس کا فضل مانگو''۔ ہوسکتا ہے کہ ایک میدان میں تم پیچھے ہو تو ایک میدان میں آگے نکل جاؤ۔ کسی خوبصورت انسان کو بعد میں یاد رکھنے والے کتنے لوگ رہ جائیں گے؟ جبکہ خوب سیرت انسان کو یاد رکھنے والے بے شمار ہوں گے۔ جن سے کوئی خیر پھیلا ہے ان کے لئے کلمۂ خیر کہنے والے لاکھوں کروڑوں ہوں گے۔ اور جو چاہے کتنے ہی خوبصورت اور امیر رہے ہوں جن سے کوئی خیر نہیں پھیلا، انہیں بعد میں کوئی بھی نہیں جانے گا، دو تین نسلوں کے بعد ان کا نام بھی ختم ہو جائے گا۔

آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے''۔ اس نے جس کو جو کچھ دیا ہے اپنے علم کامل کی بنیاد پر دیا ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جس کو جو کچھ دیا ہے وہی اس کے حق میں بہتر ہے۔ اگر کسی کو دولت زیادہ دے دی ہے تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ شخص اتنی زیادہ دولت رکھنے کے

باوجود عیاش اور بدمعاش نہیں بنے گا' طرح طرح سے اپنے اموال کو اڑائے گا نہیں' تو اس کے لئے دولت مندی مفید ہے۔ لیکن اگر اللہ کے علم میں ہو کہ یہ تو اپنے نفس پر قابو نہیں رکھ سکے گا' اسے اگر دولت دے دی تو وہ بدمعاش ہو جائے گا اور عیاشی کرے گا تو اس کے لئے بہتر یہی ہے کہ اللہ اس کو دولت نہ دے۔ چنانچہ اس کو دولت کا نہ دیا جانا اللہ کی طرف سے رحمت ہے' جبکہ پہلے کے لئے دولت کا دیا جانا رحمت ہے۔ جیسے کہ سورۂ کہف میں مذکور ہے کہ حضرت خضر نے ایک بچے کو قتل کر دیا۔ بعد میں اس کی وجہ یہ بتائی کہ ''یہ لڑکا جو تھا تو اس کے والدین مؤمن تھے' ہمیں اندیشہ ہوا کہ یہ لڑکا اپنی سرکشی اور کفر سے اُن کو تنگ کرے گا' اس لئے ہم نے چاہا کہ ان کا ربّ ان کو ایسی اولاد دے جو اخلاق میں بھی اس سے بہتر ہو اور جس سے صلہ رحمی بھی زیادہ متوقع ہو''۔ ہمیں تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ بات ہمارے حق میں خیر ہے یا شر ہے۔ یہ تو اللہ کے ہاں غیب کے پردے کے پیچھے فیصلے ہوتے ہیں' جو پلاننگ ہوتی ہے فرشتے اس کی تنفیذ کرتے ہیں۔ ﴿وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔

آگے فرمایا: ﴿وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ﴾ ''اور ہم نے ہر اُس ترکے کے حق دار مقرر کر دیئے ہیں جو والدین اور قریبی رشتے دار چھوڑیں''۔ اس سورۃ میں چونکہ میراث کا قانون بہت اختصار کے ساتھ دوسرے رکوع میں بیان ہوا اور یہ چونکہ انسانی معاشرت سے متعلق بہت ہی اہم معاملہ ہے لہٰذا آخری مرتبہ پھر یہ بات ایک اصول کے طور پر بیان کی جا رہی ہے کہ ہم نے ہر ایک کے حق مقرر کر دیئے ہیں ان چیزوں میں سے جو کہ چھوڑ گئے ہوں ان کے والدین یا دوسرے رشتہ دار۔ میراث کا پورا قانون اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا ہے' لہٰذا میراث اسی کے مطابق تقسیم ہوگی۔ ﴿وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ﴾ ''اب رہے وہ لوگ جن سے تمہارے عہد و پیمان ہوں تو ان کا حصہ انہیں دو''۔ یعنی وہ لوگ کہ جن کے ساتھ تمہارا کوئی بھائی چارے کا یا حلیفانہ رشتہ قائم ہو جاتا ہے وہ وراثت کے حق دار نہیں بن جاتے' وراثت کی تقسیم کا قانون تو ہم نے بیان کر دیا ہے' البتہ جن لوگوں سے

تمہارے عہد و پیمان ہوں یا جن سے تم نے کوئی حلیفی کا تعلق قائم کیا ہو ان کو اپنی زندگی میں جو چاہو دے سکتے ہو۔ مثلاً حلیفی کا سب سے بڑا رشتہ مؤاخات تھا۔ حضور ﷺ جب مدینے تشریف لائے تو مہاجرین و انصار کے مابین رشتہ مؤاخات قائم فرما دیا کہ ایک مہاجر اور ایک انصاری کو آپس میں بھائی بھائی بنا دیا۔ انصاری بھائیوں نے اپنے مکان اور اپنی دکانیں تقسیم کر دیں' درمیان میں دیواریں کھڑی کر دیں کہ آدھی تمہاری' آدھی میری۔ یہاں تک کہ ایک صاحب جن کی دو بیویاں تھیں انہوں نے اپنے مہاجر بھائی کو پیشکش کی کہ میری یہ دو بیویاں ہیں' ان میں سے ایک تم پسند کر لو تا کہ میں اس کو طلاق دے دوں اور تم اس سے شادی کر لو۔ اُس وقت تک پردے کے احکام نہیں آئے تھے' وہ تو بعد میں ۵ھ یا ۶ھ میں سورۃ النور اور سورۃ الاحزاب میں آئے ہیں۔ اس حد تک مؤاخات تھی۔

وراثت کے ضمن میں ابتدائی حکم سورۃ البقرۃ میں بایں الفاظ آیا تھا: ﴿كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ (آیت ۱۸۰) ''تم پر فرض کر دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جائے اور وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو تو والدین اور رشتے داروں کے لئے معروف طریقے سے وصیت کرے''۔ اس لئے کہ ابھی قانونِ وراثت تھا ہی نہیں۔ چنانچہ وصیت کا حکم دیا گیا تا کہ یہ نہ ہو کہ بڑا بیٹا ساری وراثت پر قابض ہو کر بیٹھ جائے اور نہ بوڑھے والدین کو کچھ ملے اور نہ چھوٹے بچوں اور بیوی کو کچھ ملے۔ لہٰذا وہاں پر فرمایا گیا کہ مرنے سے پہلے وصیت کر کے جایا کرو۔ اسی وقت یہ حکم بھی دیا گیا کہ جن کے ساتھ تمہارے کچھ حلیفانہ تعلقات ہیں اُن کے لئے بھی چھٹے حصّے کی حد تک وصیت کی جا سکتی ہے۔ یہ حکم قرآن میں تو نہیں ہے' البتہ احادیث میں موجود ہے۔ لیکن یہاں آ کر اس کو بالکل ختم کیا جا رہا ہے۔ نیز آیت مبارکہ ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ﴾ بھی اس سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ چنانچہ یہ واضح کر دیا گیا کہ جہاں تک وراثت کا معاملہ ہے یہ اولوا الارحام کے مابین ہے' جو بھی تمہارے مُنہ

بولے رشتے ہیں یا تمہارا کسی کے ساتھ حلیفانہ معاہدہ ہے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ اپنی زندگی میں کسی کو جو کچھ ہبہ کرنا چاہو یا ہدیہ کرنا چاہو تو کر سکتے ہو' تم پر کوئی پابندی نہیں۔ دوسرے یہ کہ وراثت میں ایک تہائی مال کی وصیت کر سکتے ہو۔ لیکن اگر کوئی ایسی وصیت نہیں ہے تو پھر اب وراثت میں ان کا کوئی حصّہ نہیں ہے' وراثت تو انہی میں تقسیم ہوگی جو اولوالارحام اور ذوی الفرائض ہیں جن کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے۔ آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدًا﴾ ''یقیناً اللہ ہر چیز پر گواہ ہے''۔

اب وہ سخت ترین کڑوی گولی آئی ہے جو دورِ جدید کی خواتین سے نگلی نہیں جا رہی۔ فرمایا: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ ''مرد عورتوں پر حاکم ہیں''۔ قوّام کے لفظ کو سمجھ لیجئے۔ ''قَامَ یَقُوْمُ'': کھڑے ہونا۔ ''قَوَّامٌ'' پوری طاقت سے کھڑے ہونے والا۔ اسی مادے سے ''قیام'' کا لفظ بھی معروف ہے اور ''قیم'' کا لفظ بھی آپ نے سنا ہوگا۔ جماعت اسلامی میں سیکریٹری کو قیم کہا جاتا تھا' اب تو سیکریٹری جنرل کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ قیم سے مراد ہے اس نظام کو قائم رکھنے والا۔ گویا کسی بھی ادارے کا قیم وہ ہوتا ہے جو اُس کا ذمہ دار اور اصل مسئول ہے اور اس کے پاس اختیارات بھی ہوتے ہیں۔ ایک طرح سے اسے حکمرانی حاصل ہے اور وہ جو فیصلہ کرے گا وہ لازم ہو جائے گا۔ تو ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ کے الفاظ میں یہ فرق واضح کر دیا گیا کہ جب خاندانی نظام کے اندر ایک مرد اور ایک عورت آپس میں شوہر اور بیوی کی حیثیت سے معاہدہ کرتے ہیں تو یہاں آ کر ان کی مساوات ختم ہوگئی۔ اب بیوی شوہر کے تابع ہے اور اسے شوہر کا حکم ماننا ہے۔ ہاں' اگر معصیت کا حکم دے گا تو نہیں مانا جائے گا' اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کر رہا ہے تو اطاعت نہیں کی جائے گی ((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ)) ''مخلوق میں سے کسی کی اطاعت نہیں ہو سکتی جس سے کہ خالق کی معصیت لازم آ رہی ہو''۔ لہٰذا اللہ کے احکام کے خلاف اطاعت نہیں ہے' لیکن اس کے اندر اندر اطاعت کرنی پڑے گی۔ مَردوں کو عورتوں کے ساتھ

حسن معاشرت کا حکم دیا گیا ہے۔ سورۃ النساء ہی میں ہم یہ پڑھ چکے ہیں: ﴿وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ''عورتوں کے ساتھ بھلے طریقے سے رہو''۔ چنانچہ شوہر اور بیوی باہمی مشوروں سے گھریلو معاملات طے کیا کریں۔ اس کو بالکل ہی یہ محسوس نہ کرا دو کہ تم محکوم ہو میں حاکم ہوں۔ گھر میں حاکمانہ رویہ اختیار کرنے کے بجائے انہیں سمجھاؤ بجھاؤ' ان سے بھی دلیل مانگو' ان کو بھی دلیل دو۔ البتہ آخر میں فیصلے کا اختیار مرد کو حاصل ہے۔ جیسے اسلامی مشاورت کا یہ اصول ہے کہ امیر اپنے ساتھیوں سے مشورہ لے ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ﴾ اور پھر اس مشورہ کی روشنی میں فیصلہ خود کرے۔ ﴿فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ﴾ ''پھر جب فیصلہ کرلو تو اللہ پر توکل کرو''۔ اسی طرح جب مرد فیصلہ کرتا ہے تو عورت کا کام یہ ہے کہ اس کی اطاعت کرے۔ سورۃ البقرۃ میں ﴿عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ﴾ کے الفاظ آئے ہیں کہ اگر میاں بیوی میں طلاق کا معاملہ ہو گیا ہے تو بچے کو دودھ کون پلائے گا؟ اگر مطلقہ بیوی جو بچے کی ماں ہے' بچے کو دودھ پلائے تو اس کی اجرت کیا ہوگی؟ اس طرح کے سارے امور باہم مشاورت سے اور باہمی رضامندی سے طے کرو۔ یعنی اگر ساتھ رہ رہے ہو تب بھی خوبصورتی سے رہو' ﴿عَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ﴾ ان کے ساتھ حسن معاشرت کا معاملہ کرو' اور اگر علیحدگی ہو رہی ہے تو وہ بھی خوبصورتی سے ہونی چاہئے۔ جو بھی معاملات ہیں عمدہ پیرائے میں طے ہو جائیں۔

تو فرمایا: ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ ''مرد عورتوں پر حاکم ہیں''۔ میں نے آغازِ خطاب میں جن چھ علماءِ عرب کا ذکر کیا تھا انہوں نے بھی اپنے مضمون میں ''حاکم'' کا لفظ استعمال کیا ہے' یہاں آ کر انہوں نے کسی درجہ میں مداہنت گوارا نہیں کی۔ ﴿بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ یہاں بات کو سمجھانے اور دلنشیں بنانے کے لئے مرد کی حاکمیت کی دو دلیلیں دی جا رہی ہیں۔ پہلی دلیل یہ کہ ﴿بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ ''اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے''۔ یہ نہیں کہا کہ ''بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ الرِّجَالَ عَلَى

النِّسَاءِ ''ہم سورۂ آل عمران میں بھی پڑھ چکے ہیں ﴿بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ﴾ ''تم (مرد اور عورتیں) ایک دوسرے ہی میں سے ہو''۔ یہاں بھی بات کو بالکل عریاں انداز میں نہیں کہا کہ چونکہ اللہ نے مَردوں کو عورتوں پر فضیلت دی ہے' حالانکہ قبل ازیں سورۃ البقرۃ میں آ چکا ہے ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ ''اور مَردوں کو عورتوں پر ایک درجہ (فضیلت) حاصل ہے''۔ وہاں پر چونکہ نرم زبان تھی لہٰذا ایک درجہ فضیلت کی بات کر دی گئی۔ یہاں لفظ ثقیل آ گیا ہے ﴿اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ ''مرد تو حاکم ہیں عورتوں پر'' لہٰذا یہاں پر نرم انداز میں ﴿بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ کے الفاظ میں مَردوں کی فضیلت کی طرف اشارہ کر دیا گیا کہ اللہ نے مَردوں کو فضیلت دی ہے۔ ان کو جسمانی قوّت اوسطاً زیادہ دی ہے۔ یوں تو کوئی عورت بھی پہلوان ہو سکتی ہے جو مَردوں کو چیلنج کر دے لیکن ایسی عورتیں تو شاذ ہیں (Exceptions prove the rule) بحیثیت مجموعی اللہ نے مَرد کو زیادہ طاقتور بنایا۔ ہم عورت کے لئے صنفِ نازک کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ عورت کا حسن نزاکت میں ہے جبکہ مَرد کا حسن اس کی جسمانی طاقت میں ہے۔ ڈاکٹر طوسی میڈیکل کالج میں ہمارے Anatomy کے استاد ہوا کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ عورت کے لئے آئیڈیل ''پری'' ہے اور مَرد کے لئے ''دیو''۔ یعنی مَرد کو دیو کی مانند جسیم اور توانا ہونا چاہئے' جبکہ عورت کو پری پیکر یعنی نرم و نازک اور خوبصورت ہونا چاہئے۔ تو جسمانی اعتبار سے اللہ نے فضیلت دی ہے مَرد کو عورت پر۔ لیکن یہاں کہا گیا: ﴿بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ﴾ ''اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے''۔

اگلے حصّے میں مَرد کی قوامیت کی دوسری دلیل دیتے ہوئے بات کو مکمل کر دیا۔ فرمایا: ﴿وَبِمَا اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ﴾ ''اور بسبب اس کے کہ وہ اپنے مال خرچ کرتے ہیں''۔ اگرچہ شادی دونوں کی ضرورت ہے' مَرد کی بھی اور عورت کی بھی۔ عورت بھی شادی کے بغیر نامکمل ہے' اس سے آگے اولاد تو نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح مَرد بھی شادی کے بغیر نامکمل ہے' اس کی آگے نسل نہیں چل سکتی' لیکن ان میں سے ایک کو طالب بنایا

اور دوسرے کو مطلوب۔ لہٰذا مہر مَرد دیتا ہے' عورت تو مہر وصول کرتی ہے۔ تو گویا شادی کے بندھن میں پہلے دن سے مَرد کی یہ فوقیت ہوگئی کہ اس نے مال خرچ کیا ہے۔ پھر یہ کہ اسلام کے خاندانی نظام میں معاشی اور اقتصادی ذمہ داریاں ساری کی ساری مَرد پر ڈالی گئی ہیں۔ عورت کی کفالت مَرد کے ذمہ ہے۔ اس کا اِطعام یعنی کھلانا' کِسوہ یعنی لباس اور سُکنہ یعنی رہائش کی جگہ فراہم کرنا' یہ تینوں چیزیں شوہر کے ذمہ عورت کا حق ہیں۔ عورت کی اگر الگ پراپرٹی ہے' بالفرض اسے باپ سے پانچ مربع زمین ملی ہے تو وہ اس کی اپنی ملکیت ہوگی' جیسے چاہے خرچ کرے' اللہ کے راستے میں خرچ کرے۔ اس کا عشر بھی اسی کو دینا ہوگا یا کوئی اور ٹیکس وغیرہ ہوں تو وہ بھی دینے ہوں گے۔ اگر اس کے پاس مال زیورات کی شکل میں ہے تو وہ اس کی اپنی ملکیت شمار ہوگا اور اس کی زکوٰۃ اسے خود دینی ہوگی۔

آیت کے اگلے الفاظ بہت پیارے ہیں اور ہماری خواتین کے لئے قابل غور ہیں۔ ''نیک بیویاں تو وہ ہیں جو اطاعت شعار ہوں''۔ مَردوں کا کہنا مانیں' ان کی اطاعت کریں۔ ﴿حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ﴾ ''غیب میں ان کے لئے محافظ بنیں''۔ ان کے مال کی بھی حفاظت کریں' اس میں خیانت نہ کریں۔ یہ نہ ہو کہ شوہر کا مال مَیں جس کو چاہوں دے دوں۔ نہیں! کمال یہی ہے کہ خیانت نہیں کرے گی' اس کی حفاظت کرے گی۔ اور اس کے علاوہ اپنے نفس کی حفاظت کرے گی' اس لئے کہ اب وہ بھی شوہر کی امانت ہے۔ درحقیقت اس کا اختیارِ کامل اب شوہر کے ہاتھ میں آ گیا ہے' اس کے جنسی اعضاء اب شوہر کی ملکیت ہیں۔ لہٰذا اس اعتبار سے اگر وہ کوئی خیانت کر رہی ہے تو یہ معاملہ اس حکم قرآنی کے خلاف ہو جائے گا۔ اور واضح رہے کہ یہ کام آسان نہیں ہے۔ شوہر کبھی سال بھر کے لئے باہر چلا گیا ہے تو اگر جوان عورت ہے تو اس کی اپنی بھی نفسانی خواہشات ہیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دَور میں بڑا عجیب واقعہ پیش آیا تھا۔ حضرت عمرؓ اپنے رات کے گشت میں ایک مکان کے پاس سے گزر رہے تھے تو انہوں نے سنا کہ ایک عورت بڑے درد بھرے الفاظ میں عشقیہ اشعار گا رہی ہے جن

سے اس کے اندر موج زن جذبات کا اظہار ہو رہا تھا۔ آپؓ نے اس خاتون کے بارے میں معلوم کیا تو پتہ چلا کہ اس کا خاوند جہاد پر گیا ہوا ہے۔ اس پر حضرت عمرؓ کو تنبہ ہوا کہ ہمارے لوگ جہاد پر جاتے ہیں اور سال سال بھر واپس نہیں آتے' اس سے تو معاشرے میں فتنے کا اندیشہ اور خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ انہوں نے اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا (جو اُمّ المؤمنین ہونے کے ناطے حضرت عمرؓ کی ماں بھی ہیں) کہ ایک عورت زیادہ سے زیادہ کتنے عرصے تک شوہر کی جدائی برداشت کر سکتی ہے؟ حضرت حفصہؓ نے بھی اس سوال کا جواب دینے میں کوئی قباحت محسوس نہیں کی اور بتایا کہ چار مہینے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوری طور پر آرڈی نینس جاری کر دیا کہ کوئی مجاہد چار ماہ سے زیادہ گھر سے باہر نہ رہے' بلکہ لازمی طور پر چھٹی لے کر گھر آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے کی روشنی میں دیکھئے کہ ہمارے ہاں کیا ہو رہا ہے؟ جو لوگ امارات اور سعودیہ میں کام کرنے جاتے ہیں اپنی جوان بیویوں کو یہاں چھوڑ جاتے ہیں اور کئی کئی سال بعد واپس آتے ہیں۔ اس صورت حال میں کئی فتنے جنم لیتے ہیں اور کئی سکینڈل کھڑے ہوتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جب شوہر صاحب واپس تشریف لاتے ہیں تو بیوی اپنے دیور سے مل کر انہیں ٹھکانے لگا دیتی ہے۔ اس لئے کہ یہاں تو دنیا بدل چکی ہے' دیور اور بھابھی کا رشتہ کچھ اور ہی بن چکا ہے' لہٰذا وہ قتل بھی کرتے ہیں اور سارا مال بھی لے لیتے ہیں۔ اس طرح کی خبریں آپ آئے دن اخبارات میں پڑھتے ہیں۔ یہ کیوں ہے؟ اس لئے کہ آپ فطرت کے خلاف طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں۔ آپ باہر جانا چاہتے ہیں تو اپنی فیملی کو ساتھ لے کر جائیے یا پھر حضرت عمرؓ کا جو چار مہینے کا فیصلہ تھا اسے پیش نظر رکھئے۔ اس سے زائد باہر رکنا اور اپنے گھر نہ آنا ایک اعتبار سے گناہ کے درجے کی بات ہو جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ((عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِي وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ)) ''تمہارے لئے لازم ہے میری سنت کو اختیار کرنا اور ہدایت یافتہ خلفاءِ راشدین کی سنت کو اختیار کرنا''۔ تو فرمایا: ﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ ''پس جو

صالح عورتیں ہوتی ہیں وہ اطاعت شعار ہوتی ہیں' اور مَردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت و نگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں''۔

اب ذرا یہ حدیث ملاحظہ کیجئے کہ رسول اللہ ﷺ نے سب سے اچھی عورت کی کیا تعریف فرمائی ہے:

((خَیْرُ النِّسَاءِ الَّتِیْ اِذَا نَظَرْتَ اِلَیْهَا سَرَّتْکَ ' وَاِذَا اَمَرْتَهَا اَطَاعَتْکَ' وَاِذَا غِبْتَ عَنْهَا حَفِظَتْکَ فِیْ نَفْسِهَا وَمَالِکَ))

''بہترین عورت وہ ہے کہ جب تم اس کی طرف دیکھو تو وہ تمہیں خوش کر دے (آپ مسکرائیں تو وہ آپ سے بڑھ کر مسکراہٹ سے آپ کو جواب دے) اور جب تم اُسے کوئی حکم دو تو اس کی اطاعت کرے' اور جب تم اس کے پاس موجود نہ ہو تو وہ اپنے نفس اور تمہارے مال کے معاملے میں تمہارے حقوق کی حفاظت کرے''۔

تو یہ اوصاف ہیں دنیا کی عورتوں میں سے بہترین عورت کے۔ اور چونکہ یہ چیز آسان نہیں ہے لہٰذا آیت زیر مطالعہ میں آگے الفاظ استعمال کئے: ﴿بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ ''اللہ کی حفاظت سے''۔ یعنی یہ حفاظت اللہ کی توفیق سے ہوگی' بغیر توفیق خداوندی کے ممکن نہیں' اللہ اگر توفیق نہ دے تو انسان کے بس کی بات نہیں' انسان ضعیف ہے۔ ہم اسی سورۃ النساء میں پڑھ چکے ہیں: ﴿وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا ۝﴾ ''انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے''۔ جبکہ اس کمزوری میں عورت مزید کمزور ہے' نازک ہے۔ اس پہلو سے ان تمام نزاکتوں کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ اگر ان تمام کمزوریوں کو اور انسانی سرشت میں جو خلا ہیں ان کو ملحوظ نہ رکھا جائے تو اس سے معاشرت اور خاندانی نظام میں فساد پھیلتا ہے۔ ﴿بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ یہ نہ سمجھو کہ تم یہ حفاظت اپنی طاقت کے بل پر کرلوگی' اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی توفیق مانگو کہ تم اس پر قائم رہ سکو!

آگے فرمایا: ﴿وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ .....﴾ ''اور وہ عورتیں کہ جن کے بارے میں تمہیں اندیشہ ہو جائے ان کی سرکشی کا.....'' یعنی ان کے تیور بتا رہے ہوں کہ یہ سرکشی پر اتر آئیں گی' ضدی ہوگئی ہوں' تو ان کے لئے قرآن نے تین علاج تجویز

کئے ہیں۔ پہلا یہ کہ ﴿فَعِظُوْهُنَّ﴾ ''پس انہیں سمجھاؤ''۔ انہیں وعظ و نصیحت کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کرو کہ دیکھو شریعت کے معاملے کو سمجھو اس کی روح کو سمجھو ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ کا اصول اللہ تعالیٰ کا مقرر کردہ ہے تمہیں میری فرماں برداری کرنی چاہئے۔ اگر تمہیں میری کسی بات سے اختلاف ہے تو تم دلیل دو اپیل کرو جس طرح بھی تم اپنی بات منوا سکو وہ اور بات ہے لیکن اگر میں نہیں مانتا تو پھر میری بات ہی چلے گی گھر کے ادارے کا سربراہ میں ہوں! یہ پہلا کام ہے۔

اس پر بھی اگر کسی کی کل سیدھی نہیں ہوتی تو پھر دوسرا کام یہ کرو کہ ﴿وَاهْجُرُوْهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ﴾ ''اور انہیں بستروں میں علیحدہ کردو''۔ یعنی ان کے ساتھ ہم بستری نہ رہے ان کے ساتھ شب باشی نہ ہو علیحدہ علیحدہ رہو۔ اگرچہ حدیث میں اس کی صراحت کر دی گئی ہے کہ مکان ایک ہی ہونا چاہئے۔ مکان سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک ہی کمرے میں اس کی چارپائی بستر علیحدہ اور تمہاری چارپائی علیحدہ ہو۔ یا یہ کہ ایک مکان ہے تو ایک کمرے میں وہ ہے تو دوسرے میں شوہر ہے۔ لیکن اسے گھر سے نکالنے کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے کہ اس طرح بہتری کی بجائے خرابی کا زیادہ اندیشہ ہے۔ اگر اتنا قرب رہے گا کہ صرف بستر ایک نہیں ہے بلکہ ذرا فصل ہو گیا ہے تو اس کی طرف سے یہ کوشش ہو سکتی ہے کہ اس فصل کو دُور کر لیا جائے اور وہ اطاعت شعاری کا رویہ اپنا لے۔

لیکن اگر یہ حربہ بھی کارگر نہ ہو تو پھر تیسرا علاج بھی بتا دیا گیا جو آج کے دَور میں سب سے کڑوی گولی ہے۔ فرمایا: ﴿وَاضْرِبُوْهُنَّ﴾ ''اور انہیں مارو''۔ یعنی اگر سمجھانے بجھانے اور بستر الگ کرنے پر بھی عورت سرکشی کا رویہ ترک نہ کرے تو پھر اسے مار بھی سکتے ہو اس کی اجازت ہے۔ اگرچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے جو بہتر لوگ ہیں وہ کبھی نہیں ماریں گے۔ گویا بیویوں کو مارنے کی اجازت صرف ناگزیر حالات میں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک مقدمہ آیا تھا کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو زوردار تھپڑ رسید کر دیا۔ وہ استغاثہ لے کر حضور ﷺ کے پاس آ گئی۔ آپؐ نے

اس کے شوہر کو بلا لیا۔ اس نے مان لیا کہ میں نے مارا ہے تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اب اس عورت کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ بھی تمہیں اسی طرح کا تھپڑ مارے۔ لیکن اس فیصلے کے تھوڑی دیر بعد ہی یہ آیت نازل ہوگئی جس میں مارنے کی اجازت دی گئی ہے۔ چنانچہ آپؐ نے انہیں واپس بلا کر اپنا فیصلہ واپس لے لیا اور انہیں بتایا کہ شریعت کا حکم آ گیا ہے کہ شوہر کو اس کی اجازت ہے' لہٰذا قصاص نہیں ہوگا' تھپڑ کے بدلے میں عورت جوابی تھپڑ رسید نہیں کرے گی۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بدرجۂ آخر یہ ایک اجازت دی گئی ہے کہ اگر کوئی عورت کسی طرح سیدھی نہیں ہو رہی' اس کی کل ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہے' اس کی ضد اور ہٹ دھرمی میں اضافہ ہو رہا ہے' اس کی طرف سے عدم تعاون اور ترکِ موالات کا معاملہ چل رہا ہے' گھر کی زندگی گویا کہ جہنم کا نمونہ بن گئی ہے تو آخری درجے میں اسے مارا بھی جا سکتا ہے۔ اس مار کے ضمن میں دو قیدیں ہیں جو حضور ﷺ نے لگائی ہیں۔ ایک یہ کہ چہرے پر تھپڑ نہیں مارا جائے گا' دوسرے یہ کہ باقی جسم پر بھی ایسی مار نہ ہو کہ جس سے نشان پڑ جائیں یا ہڈی ٹوٹ جائے۔ بس ایک علامتی مار ہو' اس سے زیادہ تجاوز کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

آگے فرمایا: ﴿فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۝﴾ ''پھر اگر وہ تمہاری مطیع ہو جائیں تو خواہ مخواہ اُن پر دست درازی کے لئے بہانے تلاش نہ کرو''۔ یعنی اگر وہ ان تین میں سے کسی بھی سٹیج پر آ کر تمہاری اطاعت قبول کر لیں' اپنے رویے کو درست کر لیں' اپنے طرزِ عمل کو ٹھیک کر لیں تو اب خواہ مخواہ ان پر ظلم اور زیادتی کرنے کے لئے بہانے تلاش نہ کرو' ان کے سابقہ رویے سے دل میں جو گرد جمع ہوگئی تھی' اس میں جو بغض جمع ہو گیا تھا اسے صاف کر دو۔ ان کے سابقہ طرزِ عمل کا انتقام مت لو اور اس کا اثر تمہارے طرزِ عمل میں نظر نہیں آنا چاہئے۔ اگر انہوں نے اپنی روش بدلی ہے تو تم ان سے دس ہاتھ آگے بڑھ کر اپنی روش بدلو ﴿اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ۝﴾ ''بے شک اللہ تعالیٰ بہت بلند ہے' بہت بڑا ہے''۔ یقین رکھو کہ اوپر اللہ موجود ہے جو بہت بڑا اور بالاتر ہے۔ اللہ کے احکام کو ہلکا نہ سمجھو' چھوٹا نہ سمجھو۔ اللہ کے ہر حکم کے اندر حکمت

ہے اور مصلحت ہے۔ لہٰذا عورتوں کو بھی کھلے دل کے ساتھ ان احکام کو قبول کرنا چاہئے۔ ان کو بھی معلوم ہے کہ بچوں کی گوشمالی کرنی پڑتی ہے' بچوں کو کبھی مارنا بھی پڑتا ہے۔ تو جس طرح عورت کو کہا گیا ہے کہ وہ اپنے شوہر کے گھر میں اس کے بچوں کی ذمہ دار ہے' تو وہ بچوں کو تادیباً مار سکتی ہے' اسی طرح شوہر اس کے اوپر حاکم ہے ﴿اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَاءِ﴾ لہٰذا اگر ضرورت انتہائی درجہ کی ہو تو اس کو اس بات کی اجازت دی گئی ہے۔ دوسری طرف شوہروں کو بھی یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ یہ اجازت آخری درجے میں ہے۔ ایسا ہرگز نہ ہو کہ انتقاماً اور غصے میں لال بھبھوکے ہو کر بیوی پر ہاتھ اٹھا لیا جائے' بلکہ ٹھنڈے دل کے ساتھ' سوچ سمجھ کر' calculated معاملہ ہو کہ اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔

اب اس سلسلے کا آخری حکم دیا جا رہا ہے: ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَیْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا﴾ ''اور اگر تم لوگوں کو میاں بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک حَکَم مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو''۔ اگر تمہیں اندیشہ ہو جائے کہ ان کے درمیان تو ضدم ضدا کی کیفیت پیدا ہو گئی ہے' نہ مرد ہٹنے کو تیار ہے نہ عورت ہٹنے کو تیار ہے اور اب ان کے درمیان حسن معاشرت کا معاملہ ممکن نہیں رہا تو ایک حَکَم اس مرد کے خاندان میں سے اور ایک حَکَم اس عورت کے خاندان میں سے مقرر کرو۔ حَکَم کا لفظ خود بتا رہا ہے کہ ان میں فیصلہ کرنے کی صلاحیت ہونی چاہئے' اصابت رائے ہونی چاہئے اور ان دونوں کی فریقین میں سے کسی کے ساتھ کوئی رنجش نہیں ہونی چاہئے۔ ﴿اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا﴾ ''اگر وہ دونوں چاہیں گے کہ اصلاح ہو جائے تو اللہ ان کے درمیان موافقت کی صورت پیدا کر دے گا''۔ ان کے مزاجوں کے اندر موافقت پیدا کر دے گا۔

آیت کے اس ٹکڑے میں جو ضمائر ہیں ان کے کئی امکانات ہو سکتے ہیں۔ ﴿اِنْ یُّرِیْدَآ اِصْلَاحًا یُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَیْنَهُمَا﴾ کا مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر وہ دونوں حَکَم خلوص کے ساتھ چاہیں گے کہ اصلاح ہو جائے تو اللہ ان دونوں کی رائے میں موافقت

پیدا کر دے گا۔ یہ نہیں کہ شوہر کی طرف سے حَکَم اپنی بات پر اڑا رہے اور بیوی کی طرف سے حَکَم اپنی جگہ اڑا رہے۔ اس طرح تو معاملہ وہیں کا وہیں رہے گا۔ لیکن اگر وہ دونوں دل سے اس بات کے خواہش مند ہوں گے کہ ان میں مصالحت ہو جائے' ایک فیصلہ ہو جائے' راضی نامہ ہو جائے' تو اللہ ان دونوں (حکمین) کے اندر موافقت پیدا کر دے۔ ایک دوسری رائے یہ ہے کہ اگر دونوں حَکَم واقعتاً اصلاح کے طالب ہوں گے تو اللہ شوہر اور بیوی کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔ اور تیسرا بڑا خوبصورت مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ دونوں یعنی میاں بیوی اصلاح کے خواہش مند ہوں گے تو اللہ ان کے درمیان موافقت پیدا فرما دے گا۔ اکثر نفسیاتی طور پر ایسا ہو جاتا ہے کہ دل سے تو شوہر بھی چاہتا ہے کہ اصلاح ہو جائے لیکن وہ اپنی بات پر اڑا ہوا ہوتا ہے کہ میں ہیٹا کیوں ہوں' میں کمزور کیوں پڑوں' میں اپنی بات کو نیچے کیوں ڈالوں؟ اسی طرح بیوی بھی یہ سمجھ رہی ہوتی ہے کہ مصالحت ہو جانی چاہئے' گھر کو اجاڑنا تو نہیں ہے' لیکن میں اس کے آگے کیوں جھکوں؟ میں اس سے کمتر تھوڑی ہی ہوں؟ یہ ضدم ضدا جو ہے یہ مصالحت کی راہ میں حائل ہو جاتی ہے' حالانکہ دونوں کے دل میں یہ خواہش موجود ہے کہ ملاپ ہو اور معاملہ ٹھیک ہو جائے۔ اس صورت حال میں اگر درمیان میں دو آدمی آ جائیں تو ان کے ذریعے سے مصالحت آسان ہو جائے گی۔ اگر شوہر اور بیوی میں مصالحت کا ارادہ ہو گا تو اللہ ان کے درمیان موافقت پیدا کر دے گا۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیۡمًا خَبِیۡرًا﴾ ''یقیناً اللہ سب کچھ جانتا ہے' باخبر ہے''۔

اب میں اس موضوع سے متعلق آخری بات اختصار کے ساتھ بیان کر رہا ہوں جو اسی سورۃ النساء کی آیات ۱۲۸ تا ۱۳۰ میں بیان ہوئی ہے: فرمایا: ﴿وَاِنِ امۡرَاَۃٌ خَافَتۡ مِنۡۢ بَعۡلِہَا نُشُوۡزًا اَوۡ اِعۡرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡہِمَاۤ اَنۡ یُّصۡلِحَا بَیۡنَہُمَا صُلۡحًا ؕ وَالصُّلۡحُ خَیۡرٌ﴾ ''اور اگر عورت کو یہ اندیشہ ہو جائے کہ شوہر زیادتی کرنے پر تلا ہوا ہے یا اسے اس کی بے رخی کا خطرہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں کہ میاں اور بیوی (کچھ حقوق کی کمی بیشی پر) آپس میں صلح کر لیں۔ صلح بہر حال بہتر ہے''۔

سورۃ النساء کی آیات ۱۲۸ تا ۱۳۰ اس موضوع پر استدراک کی حیثیت سے آئی ہیں۔ ان میں آخری بات یہ فرمائی گئی ہے کہ: ﴿وَاِنْ یَّتَفَرَّقَا یُغْنِ اللّٰہُ کُلًّا مِّنْ سَعَتِہٖ﴾ ''لیکن اگر زوجین ایک دوسرے سے الگ ہی ہو جائیں تو اللہ اپنی وسیع قدرت سے ہر ایک کو دوسرے کی محتاجی سے بے نیاز کر دے گا''۔ اگر گاڑی نہیں چلتی' بات نہیں بنتی تو طلاق یا خلع کی شکل میں علیحدگی ہو سکتی ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ دونوں فریقوں کو غنی کر دے گا' وہ اپنی وسعت اختیارات اور فضل سے عورت کو بھی بہتر شوہر عطا فرما دے گا اور مرد کو بھی بہتر بیوی عطا کر دے گا۔ ﴿وَکَانَ اللّٰہُ وَاسِعًا حَکِیْمًا﴾ ''اللہ کا دامن بہت کشادہ ہے اور وہ دانا و بینا ہے''۔

بارک اللہ لی ولکم فی القرآن العظیم ونفعنی وایاکم بالآیات والذکر الحکیم

خوش خبری : فہم قرآن میں اضافے کے لیے فنی کتاب

'قواعدِ زبانِ قرآن' کا دوسرا حصہ شائع ہو گیا ہے

صفحات 948 ، رعایتی قیمت 300 + ڈاک خرچ 50 = کل قیمت 350 روپے

حصہ اول اور حصہ دوم دونوں کی کل رعایتی قیمت مع ڈاک خرچ = 650 روپے

نئے ایڈیشن اور نئی کتابوں کی رعایتی قیمتیں

1	قواعد زبان قرآن حصہ اول (تیسرا ایڈیشن)	خلیل الرحمن چشتی	250 روپے
2	قواعد زبان قرآن (حصہ دوم)	خلیل الرحمن چشتی	300 روپے
3	اسلامی تربیت گاہیں	محمد خان منہاس، چشتی	40 روپے
4	تزکیہ نفس ، مفہوم ، ماہیت اور عملی تدبیریں	محمد خان منہاس، چشتی	50 روپے

تیرہ (13) کتابوں کے مکمل سیٹ کی قیمت مع ڈاک خرچ-/905 روپے ہے

کتابیں وی ۔ پی نہیں کی جائیں گی ۔ منی آرڈر یا ڈرافٹ پہلے آنا لازمی ہے۔

الفوز اکیڈمی ، اسلام آباد
Fax : 051 - 22 54 139

317, Street 16, F-10/2, Islamabad
Tel: 051- 22 51 933

اسلام کا تصورِ عبادت

تحریر: پروفیسر محمد شریف ☆

اسلام محض عقائد یا نظریات کا مجموعہ نہیں' بلکہ عبادات و اعمال کا نام بھی ہے۔ ایک شخص اگر کسی بات پر یقین رکھتا ہے یا کسی عقیدے کو تسلیم کرتا ہے تو اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ اور یہ اعمال و عبادات ارکانِ اسلام کہلاتے ہیں۔

عبادت کا لغوی مفہوم

i) امام راغب اصفہانیؒ نے ''المفردات فی غریب القرآن'' میں عبادت کا معنی انتہائی درجہ تذلل' انکساری اور عاجزی بیان کیا ہے۔ (۱)

ii) علامہ ابن منظور نے ''لسان العرب'' میں عبادت کا معنی اطاعت' غلامی' بندگی اور سپردگی بیان کیا ہے۔ (۲)

iii) علامہ زبیدی حنفیؒ نے ''تاج العروس'' میں لکھا ہے کہ ''عبد'' صحرا کی بوٹی ہے جو اونٹ کی محبوب غذا ہے۔ اس میں تین چیزیں ہیں:

۱) اشتیاق' ولولہ' جذبہ۔

۲) موٹاپا' روحانی قوت۔

۳) تشنگی' ایثار' صعوبت۔ (۳)

iv) علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ عبادت کے لغوی معنی پست ہونے کے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ طریقٌ مُعبَّدٌ (روندا ہوا راستہ) اور بعیرٌ مُعبَّدٌ (وہ اونٹ جس کی سواری چھوڑ دی گئی ہو)۔ شریعت میں اس سے مراد ایسی کیفیت ہے جس میں انتہائی محبت کے ساتھ انتہائی خضوع اور خوف موجود ہو۔ (۴)

v) بعض علماء نے کہا ہے کہ عبادت ''عبد'' سے ہے جس کے معنی غلام اور بندہ کے ہیں۔ غلام اور بندہ چار چیزوں سے بنتا ہے۔

۱) محبت ۲) تعظیم ۳) وفاداری ۴) اطاعت

☆ شعبہ علوم اسلامیہ' گورنمنٹ کالج' بھکر

فوج کے سپاہی کی مثال سے ہم اس تصور کو سمجھ سکتے ہیں۔

عبادت کے لغوی مفہوم سے واضح ہوا کہ عبادت کا لفظ اپنے ضمن میں انتہائی عاجزی' انکساری اور تذلل کا مفہوم لئے ہوئے ہے۔ اسی لئے قرآنِ مجید میں عبادت کا متضاد لفظ تکبر استعمال کیا گیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِیْنَ﴾ (المؤمن: ٦٠)

''بے شک جو لوگ میری عبادت سے تکبر (کی بنا پر اعراض) کرتے ہیں وہ سب جہنم میں داخل ہوں گے''۔

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

﴿وَمَنْ یَّسْتَنْکِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَیَسْتَکْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا﴾ (النساء: ١٧٢)

''اور جسے اللہ کی عبادت سے عار ہو اور وہ تکبر کرے تو اللہ ان سب کو جلد ہی اپنے ہاں جمع کرے گا''۔

اصطلاحی مفہوم

ایک خاص مقررہ کیفیت اور ہیئت کے ساتھ اپنے خلوص اور عاجزی کا اظہار کرنا جس کے مختلف طریقے ہر مذہب وملت میں رائج ہیں۔ اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس کے ہر حکم کی تعمیل کا نام عبادت ہے' اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا ہر حکم خواہ اس کا تعلق دُنیوی زندگی سے ہو یا اُخروی زندگی سے' اس کی غیر مشروط اطاعت کا نام عبادت ہے۔ اس کا ذکر حدیث میں ان الفاظ میں آتا ہے:

((لَا تَحْقِرَنَّ مِنَ الْمَعْرُوْفِ شَیْئًا وَلَوْ اَنْ تَلْقٰی اَخَاکَ بِوَجْهٍ طَلْقٍ)) (٥)

''نیکی کی کسی چیز کو بھی حقیر نہ سمجھو اگرچہ اپنے (مسلمان) بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنا ہی کیوں نہ ہو''۔

یہی وہ عبادت ہے جس کے لئے جن وانس کو پیدا کیا گیا۔ ارشادِ ربّانی ہے:

﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ﴾ (الذّٰریٰت: ٥٦)

''اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت

کریں''۔

اسی عبادت کا حکم اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسانی کو دیا۔ ارشادِ ربانی ہے:

﴿یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۲۱)

''اے لوگو! اپنے اُس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا تاکہ تم بچ جاؤ''۔

عبادت میں زندگی کے تمام اَخلاقِ حسنہ' آداب اور نیکیاں شامل ہو جاتی ہیں بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کی رضا میں اس کی اطاعت کے لئے کی جائیں۔ جیسا کہ اس حدیث مبارکہ سے ظاہر ہے:

((یُمِیْطُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ صَدَقَۃٌ)) (۶)

''راستہ سے تکلیف دینے والی چیز کا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے''۔

مختلف مذاہب میں تصورِ عبادت

دنیا کے ہر مذہب میں عبادت کا حکم موجود ہے لیکن عبادت کی جو حقیقت اور تشریح اسلام نے کی ہے وہ ایسی ہے کہ جس کو معلوم کر کے ہر سلیم العقل انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ واقعی یہ عبادت ہے۔ دیگر مذاہب میں اوّل تو عبادت کی روح ہی موجود نہیں' اور کہیں صرف خلافِ فطرت اور خلافِ عقل افعال کو عبادت قرار دے دیا گیا ہے۔ یہود کی عبادت صرف یہ ہے کہ ہفتہ (سبت) کے دن چھٹی کی جائے اور کوئی کام نہ کیا جائے۔ عیسائی حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ (علیہما السلام) کے مجسموں اور تصویروں کو پوجتے ہیں اور جسم کو تکالیف دیتے ہیں۔ عرب رہبانیت کے قائل تھے۔ یونانی بادشاہوں اور ستاروں کو پوجتے تھے۔ زرتشت آگ کی پوجا کرتے ہیں۔ بدھ مذہب میں مورتیوں اور بدھ کی ہڈیوں کی راکھ کی پوجا ہوتی ہے۔ چین کے کنفیوشس باپ دادا کی مورتیوں کو پوجتے تھے۔

مولانا مودودیؒ لکھتے ہیں: ''انسان ہر اُس چیز کے سامنے گردن جھکا دیتا ہے جس کے اندر کسی قسم کی طاقتِ مضرت یا منفعت نظر آتی ہے' اور خود اپنے جیسے آدمیوں میں بھی کوئی قوّت دیکھتا ہے تو اُن کو بھی دیوتا اور معبود مان لینے میں تامل نہیں کرتا''۔ (۷)

عبادت کے مفہوم کو سمجھنے میں غلط فہمی

عبادت محض چند رسومات کی ادائیگی کا نام نہیں' جیسا کہ آج کل سمجھ لیا گیا ہے۔ دن میں پانچ مرتبہ رکوع و سجود کر لینا' صبح سے شام تک بھوکا پیاسا رہنا' کعبے کے گرد طواف کر لینا' الغرض چند افعال کی ظاہری شکل کو عبادت کا نام دے دیا گیا ہے اور جب کوئی شخص یہ افعال کر لیتا ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ اس نے عبادت کا حق ادا کر دیا ہے' اب جو چاہے کرے' اس پر کوئی پابندی نہیں' دنیا کے دیگر معاملات میں اب یہ شخص آزاد ہے کہ وہ جو چاہے کرے' جبکہ اسلام میں عبادت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں ہے۔

اسلامی تصورِ عبادت

اسلام کا تصورِ عبادت دیگر مذاہب کے تصورِ عبادت سے یکسر مختلف اور منفرد ہے اور یہ تصور ہر لحاظ سے مکمل' اعلیٰ اور ارفع ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ انسان کی ساری زندگی خدا کی بندگی میں بسر ہو' اس کی زندگی کا ایک لمحہ بھی خدا کی عبادت سے خالی نہ ہو' اس کا سونا' جاگنا' اٹھنا' بیٹھنا' کھانا پینا غرض کہ سب کچھ خدا کے قانون کی پابندی میں ہو۔ خدا نے جو خدمات انسان کے سپرد کی ہیں اور زندگی کے جو فرائض انسان سے متعلق کئے ہیں ان سب کا بار وہ نفس کی پوری رضامندی سے اٹھائیں اور ان کو اس طریقے سے ادا کریں جس کی طرف خدا نے اپنے رسولوں کے ذریعے انسان کی رہنمائی کی ہے۔ (۸)

اصل عبادت یہ ہے کہ انسان دُنیوی دھندوں' کاروبار اور ذمہ داریوں سے بھی دوچار ہو اور پھر اللہ تعالیٰ کے قانون کی پابندی بھی کرے' انسان کی پوری کی پوری زندگی اللہ تعالیٰ کے قانون کی پابند نظر آئے۔ دنیا میں انسان کو مختلف اعتبار سے اور مختلف حیثیتوں سے پالا پڑتا ہے۔ گھر میں بیوی بچوں کے ساتھ' دفتر میں رفقائے کار کے ساتھ' خوشی غمی کے موقع پر رشتہ داروں کے ساتھ' ضروریات میں دوست واحباب کے ساتھ' لین دین میں ہمسایوں کے ساتھ اور کاروبار میں اپنے پرائے دوست دشمن کے ساتھ واسطہ پڑتا ہے۔ اور اکثر اوقات ان میں سے کسی ایک کی وجہ سے ہی انسان غلط کام پر مجبور ہو جاتا ہے۔ خود انسان کا پیٹ اس بات کی سب سے بڑی شہادت ہے کہ وہ بڑے سے بڑے شخص کے ایمان وعقیدہ کو ہلا کر رکھ دیتا ہے اور اس کو ایسے کام کرنے پر مجبور کرتا ہے کہ عام حالات میں دوسرا کوئی شخص تصور بھی نہیں کر سکتا۔ بڑے

بڑے فائدے اور بڑے بڑے نقصانات قانونِ خداوندی کی پیروی کی راہ میں رکاوٹ بن جاتے ہیں۔ لیکن جب اس لمحے ایک انسان قانونِ الٰہی پر کاربند رہتا ہے اور وہ اپنے ایمان وعقیدہ کو متزلزل نہیں ہونے دیتا اور خوفِ خدا اُسے ہر غلط کام سے روکے رکھتا ہے تو یہ اسلام کے نزدیک عبادت کا اصلی تصور ہے۔

علاوہ ازیں روزمرہ کے معمولات جن کو انسان کبھی بھول نہیں سکتا' مثلاً کھانا پینا' اٹھنا بیٹھنا' چلنا پھرنا' کام کرنا' سونا جاگنا' کھیلنا' دوستوں کے ساتھ ملنا' الغرض تمام معاملات میں احکامِ الٰہی اور سنتِ نبوی ﷺ کا خیال رکھا جائے تو یہ سب عبادت کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے اگر یہ شخص سفر کر رہا ہے' پانی پی رہا ہے' باتیں کر رہا ہے' کھیل رہا ہے' پڑھ رہا ہے' بازار میں سودا سلف خرید رہا ہے حتیٰ کہ سو رہا ہے تو بھی اس کی عبادت شمار ہوگی۔ اس طرح مؤمن کی زندگی کا ہر لمحہ عبادت شمار ہوگا۔

اس سے یہ ثابت ہوا کہ اسلام انسان کی پوری زندگی کو عبادت میں تبدیل کر دینا چاہتا ہے۔ اس کا مطالبہ یہ ہے کہ آدمی کی زندگی کا کوئی لمحہ بھی خدا کی عبادت سے خالی نہ ہو۔ لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرنے کے ساتھ ہی یہ بات لازم آجاتی ہے کہ جس اللہ کو آدمی نے اپنا معبود تسلیم کیا ہے اس کا بندہ بن کر رہے اور بندہ بن کر رہنے کا نام ہی عبادت ہے۔

''اسلام کا نظامِ تربیت'' میں محمد قطبؒ فرماتے ہیں: ''پوری زندگی اللہ کی رضا اور اس کی منشا کے مطابق گزارنا اور اُن تمام اُمور سے بچنا جو خدا کی ناراضگی کا باعث ہوں' عبادت ہے''۔ (۹)

یہی وجہ ہے کہ کسی شکستہ دل کو تسلی دینا' خطاکار کو معاف کرنا' اچھی بات کہنا' دوست کی خوشی کے لئے مسکرانا' تکلیف دہ چیز کا راستے سے ہٹانا' غرباء کی مدد کرنا' خیرات کرنا' یہ سب عبادت کے زمرے میں شامل ہیں۔

اسلامی عبادات کی اہمیت

اسلام میں ایمان یا عقیدے کی درستی کے بعد سب سے پہلے عبادات پر زور دیا گیا ہے۔ عبادات اللہ کے ساتھ براہ راست ربط وتعلق کی ایک عملی صورت ہونے کے باعث خود مقصد اور نصب العین بھی ہیں اور اسلام کے باقی احکام وقوانین پر عمل کے

لئے آمادہ کرنے اور ان احکام کی روح کو سمجھنے کے لئے تربیت کا ایک ذریعہ بھی ہیں۔

قرنِ اوّل کے مسلمانوں کو ان عقائد اور عبادات نے ہی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا۔ اللہ پر ایمان اور اس کے ساتھ ربط بذریعہ عبادت نے تمام مشکلات کو ان کی نظر میں ہیچ کر دیا ہے۔ بڑی سے بڑی قربانی دینا ان کے لئے آسان ہو گیا اور وہ ایمان اور عبادات کی روح سے آشنا ہو گئے۔ ان کی زندگیاں ان کے عقائد اور عبادات کے نتائج کی مُنہ بولتی تصویریں تھیں۔ وہ نہ دنیا سے لاتعلق تھے اور نہ آخرت سے غافل۔ وہ عبادات کے احکام' ان کی ظاہری شکل وصورت' ان کی کیفیت سے بھی واقف تھے اور عبادت کے معنیٰ' مقصد اور اس کی روح اور حقیقت سے بھی۔

اسی عظیم عبادت کے لئے انسان کو تیار کرنے کی خاطر اسلام نے نظامِ عبادات تشکیل دیا ہے۔

مصادر و مراجع

۱) امام راغب اصفہانی : المفردات فی غریب القرآن' دارالمعرفۃ للطباعۃ و النشر' بیروت' لبنان (س۔ن)۔

۲) ابن منظور : لسان العرب' دارالاحیاء و التراث العربی 'بیروت 'لبنان' ۱۴۱۴ھ۔

۳) محمد مرتضیٰ الزبیدی : تاج العروس' دارالفکر للطباعۃ والنشر' بیروت' ۱۹۹۴ء۔

۴) ابن کثیر : تفسیر القرآن العظیم' ۲۵ نفیس اکیڈمی کراچی' ۱۹۵۳ء۔

۵) مسلم بن حجاج : الجامع صحیح مسلم' کتاب البر و الصلۃ و الآداب' باب استحباب طلاقۃ الوجہ عند اللقاء۔

۶) محمد بن اسماعیل البخاری : الجامع الصحیح ' کتاب المظالم والغصب' باب اماطۃ الاذیٰ۔

۷) ابوالاعلیٰ مودودی : اسلامی تہذیب اور اس کے اصول و مبادی۔ اسلامک پبلیکیشنز لاہور' ۱۹۸۲ء۔

۸) خورشید احمد : اسلامی فلسفۂ حیات۔ شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ کراچی' یونیورسٹی کراچی' ۱۹۸۸ء۔

۹) محمد قطب : اسلام کا نظام تربیت (مترجم ساجد الرحمٰن صدیقی)' اسلامک پبلیکیشنز لاہور' ۱۹۸۵ء۔

مسلمان کا طرزِ حیات (۲۲)

علامہ ابو بکر الجزائری کی شہرۂ آفاق تالیف

"منہاجُ المُسلم" کا اردو ترجمہ

مترجم : مولانا عطاء اللہ ساجد

کتاب الآداب

چھٹا باب

مخلوق سے تعلق کے آداب

ا۔ والدین

ایک مسلمان کا یہ ایمان ہوتا ہے کہ والدین کا اس پر حق ہے اور ان سے حسن سلوک اور ان کی اطاعت فرض ہے۔ اس کی وجہ صرف یہی نہیں کہ والدین انسان کی تخلیق کا باعث ہوتے ہیں یا انہوں نے اس پر پرورش کا احسان کیا ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کے احسان کا بدلہ چکانا ضروری ہے' بلکہ وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے والدین کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حق یعنی توحید کے ساتھ ملا کر ان کے ساتھ حسن سلوک کا حکم ذکر فرمایا ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے :

﴿ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ۝ ﴾ (بنی اسراء یل : ۲۳'۲۴)

"تیرے رب نے فیصلہ صادر فرمادیا ہے کہ اُس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تیرے پاس بڑھاپے (کی عمر) کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف بھی نہ کہہ' نہ انہیں جھڑک' اور

ان سے احترام سے بات کر۔ اور ان کے لیے شفقت سے نرمی کا بازو جھکا دے اور یوں کہا کر: اے میرے رب! ان پر اسی طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھے پالا تھا جب میں چھوٹا تھا۔"

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

﴿ وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ۚ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ ۖ إِلَيَّ الْمَصِيرُ ۝ ﴾ (لقمان: ۱۴)

"اور ہم نے انسان کو اس کے والدین کے بارے میں نصیحت کی ہے۔ اس کی ماں نے اسے کمزوری پر کمزوری کی حالت میں اٹھائے رکھا۔ اور دو سال اس کا دودھ چھوٹنے میں لگے۔ (اس لیے ہم نے یہ حکم دیا) کہ میرا بھی شکر کر اور اپنے والدین کا بھی احسان مان۔ میری طرف ہی لوٹنا ہے۔"

ایک صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: "میرے حسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟" فرمایا: "تیری والدہ"۔ انہوں نے عرض کیا: "اس کے بعد کون (زیادہ مستحق ہے)؟" فرمایا: "تیری والدہ"۔ انہوں نے کہا: "اس کے بعد کون؟" آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "تیری والدہ"۔ انہوں نے عرض کیا: "پھر کون؟" فرمایا: "تیرے والد"۔[1]

ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ وَمَنَعَ وَهَاتِ وَوَأْدَ الْبَنَاتِ، وَكَرِهَ لَكُمْ قِيلَ وَقَالَ وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ وَإِضَاعَةَ الْمَالِ)) [2]

"اللہ تعالیٰ نے تم پر ماؤں کی نافرمانی کرنا، بخل اور حرص سے کام لینا، بچیوں کو زندہ درگور کرنا حرام قرار دیا ہے، اور وہ (بے فائدہ) قیل و قال، کثرتِ سوال، اور مال کے ضیاع کو ناپسند کرتا ہے"۔

ایک بار آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

((أَلَا أُنَبِّئُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟)) [ثَلَاثًا] قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ: ((الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ)) وَكَانَ مُتَّكِئًا فَجَلَسَ وَقَالَ: ((أَلَا

وَقَوْلُ الزُّوْرِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ' اَلاَ وَقَوْلُ الزُّوْرِ وَشَهَادَةُ الزُّوْرِ)) فَمَا زَالَ يَقُوْلُهَا حَتّٰى قَالَ اَبُوْبَكْرَةَ : قُلْتُ لَيْتَهُ سَكَتَ [۳]

"کیا میں تمہیں سب سے بڑے کبیرہ گناہ نہ بتاؤں؟" (یہ بات آپؐ نے تین بار فرمائی۔) صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: "یارسول اللہ! ضرور ارشاد فرمایئے"۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: "اللہ کے ساتھ شرک کرنا' والدین کی نافرمانی کرنا"۔ اس کے بعد آپؐ سیدھے ہو کر بیٹھ گئے' پہلے ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے' اور فرمایا: "سنو! اور جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی! خبردار! جھوٹ بولنا اور جھوٹی گواہی"۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ الفاظ بار بار اتنی دفعہ دہرائے کہ میں نے (دل میں) کہا: کاش حضور اب خاموش ہو جائیں"۔

ارشادِ نبوی ہے:

((لَا يَجْزِيْ وَلَدٌ وَالِدًا اِلَّا اَنْ يَّجِدَهُ مَمْلُوْكًا فَيَشْتَرِيَهُ فَيُعْتِقَهُ)) [۴]

"کوئی بیٹا اپنے والد کے احسانات کا بدلہ نہیں دے سکتا' صرف ایک صورت ہے کہ باپ کسی کا غلام ہو اور بیٹا اسے خرید کر آزاد کر دے"۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا: کون سا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے؟ ارشاد ہوا: "والدین سے نیکی کرنا"۔ میں نے عرض کیا: پھر کون سا (عمل اللہ کو پیارا ہے)؟ فرمایا: "جہاد فی سبیل اللہ"۔ [۵]

ایک صاحب خدمت نبویؐ میں حاضر ہوئے اور جہاد میں جانے کی اجازت طلب کی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا: "کیا تمہارے والدین زندہ ہیں؟" انہوں نے کہا: جی ہاں۔ فرمایا: ((فَفِيْهِمَا فَجَاهِدْ)) "ان (کی خدمت) میں جہاد (اور محنت) کر"۔ [۶]

ایک انصاری صحابی نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا: یارسول اللہ! میرے والدین کی وفات کے بعد بھی میرے ذمہ کوئی عمل باقی رہ گیا ہے جس کے ذریعہ میں والدین کے ساتھ حسن سلوک کر سکوں؟ ارشاد فرمایا: "ہاں' چار چیزیں ہیں' ان کے لیے دعا اور استغفار کرنا' ان کے کئے ہوئے وعدے پورے کرنا' ان کے دوستوں کا احترام کرنا اور جو افراد ان کی وجہ سے تیرے رشتہ دار ہیں ان سے صلہ رحمی کرنا۔ [۷] یہ وفات کے بعد بھی

ان کے ساتھ حسن سلوک ہے"۔[۸] آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِنَّ مِنْ اَبَرِّ الْبِرِّ اَنْ یَّصِلَ الرَّجُلُ اَھْلَ وُدِّ اَبِیْہِ بَعْدَ اَنْ یُّوَلِّیَ)) [۹]

"سب سے بڑی نیکی یہ ہے کہ آدمی باپ کے (دنیا سے) چلے جانے کے بعد اس کے تعلق داروں سے صلہ رحمی کرے"۔

جب ایک مسلمان اپنے والدین کے ان حقوق کو تسلیم کرتا ہے اور اللہ کے حکم کی تعمیل میں یہ فرض پوری طرح ادا کرتا ہے تو اسے اپنے والدین کے مندرجہ ذیل آداب کا خیال رکھنا چاہیئے:

① وہ جس کام کا حکم دیں اور جس کام سے منع کریں ان کی اطاعت کرے، بشرطیکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی یا شریعت کی مخالفت نہ ہوتی ہو۔ کیونکہ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿ وَاِنْ جَاھَدٰكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا ﴾ (لقمان: ۱۵)

"لیکن اگر وہ تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو ان کی بات ہرگز نہ مان، اور دنیا میں ان کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔"

نبی ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّمَا الطَّاعَةُ فِی الْمَعْرُوْفِ))

"اطاعت تو نیکی میں ہوتی ہے"۔[۱۰]

اور فرمایا:

((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِیْ مَعْصِیَةِ الْخَالِقِ)) [۱۱]

"خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں"۔

② ان کی عزت اور احترام کا لحاظ رکھے۔ ان سے نرمی سے پیش آئے۔ یہ احترام زبانی اعمال میں بھی ہو اور بدنی اعمال میں بھی۔ مثلاً ان کو سختی سے کوئی بات نہ کہے، ان کی آواز سے اپنی آواز بلند نہ کرے، ان کے آگے نہ چلے، اپنی بیوی اور اولاد کو

ان پر ترجیح نہ دے' ان کو نام لے کر نہ پکارے بلکہ "امی جان! ابا جان!" وغیرہ کہہ کر بلائے' ان کی اجازت سے سفر کرے۔

③ ہر ممکن طریقے سے ان سے حسن سلوک کرے۔ مثلاً انہیں کھانا اور لباس مہیا کرے' بیمار ہو جائیں تو علاج کرائے' ان کو تکلیف نہ پہنچنے دے' ان کی حفاظت کے لیے جان بھی دینی پڑے تو دریغ نہ کرے۔

④ جو رشتے ان کی وجہ سے بنتے ہیں ان کا خیال رکھے' ان کے لیے دعائیں کرتا رہے' اور اللہ سے ان کی بخشش کے لیے دعا کرے' ان کے کئے ہوئے وعدے پورے کرے اور ان کے دوستوں کا احترام کرے۔

۲۔ اولاد

ایک مسلمان اس بات کا معترف ہوتا ہے کہ والد پر اولاد کے کچھ حقوق ہیں جن کا ادا کرنا اس کا فرض ہے۔ اسی طرح ان کے متعلق کچھ آداب ہیں جن کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً اولاد کے لئے نیک والدہ کا انتخاب (یعنی اپنے لیے اچھی بیوی منتخب کرنا)' اولاد کے نام اچھے رکھنا' ولادت سے ساتویں دن عقیقہ کرنا' لڑکے کا ختنہ کرنا' نرمی اور شفقت کا سلوک کرنا' انہیں اسلامی آداب و اخلاق سے بہرہ ور کرنا' اسلامی تعلیمات پر عمل کرانا' فرائض' سنن اور آداب کا عادی بنانا' جب بالغ ہو جائیں تو اُن کی شادی کرنا' اس کے بعد لڑکے کو اختیار دینا کہ چاہے تو والدین کی سرپرستی میں رہے اور چاہے تو الگ ہو کر معاشرے میں خود اپنا مقام پیدا کرے۔ قرآن و حدیث سے ان مسائل کی دلیلیں درج ذیل ہیں:

① اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۭ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ ﴾

(البقرۃ: ۲۳۳)

"مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ یہ اس شخص کے لیے ہے جو

(اپنی اولاد کو) پوری مدت دودھ پلوانا چاہے۔ اور بچے والے کے ذمہ ہے کہ انہیں (ماؤں کو) دستور کے مطابق کھانا اور کپڑے فراہم کرے۔"

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴾ (التحریم: ۶)

"اے مؤمنو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو اُس آگ سے بچالو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے، جس پر سختی کرنے والے زبردست فرشتے مقرر ہیں، اللہ نے انہیں جو حکم دیا ہے (اس کی تعمیل میں) وہ اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور انہیں جو حکم دیا جاتا ہے اسے بجالاتے ہیں۔"

اس آیت میں گھر والوں کو جہنم سے بچانے کا حکم ہے اور اس کا طریقہ کار اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل ہے۔ اور یہ اطاعت تب ہی ہو سکتی ہے اگر ہمیں اللہ کے احکام کا علم ہو جن کی تعمیل ہم پر فرض ہے اور یہ علم بغیر تعلیم حاصل کئے نہیں مل سکتا۔ چونکہ اولاد مرد کے "گھر والوں" میں شامل ہے لہٰذا آیت مبارکہ سے والد کا یہ فرض ثابت ہوتا ہے کہ وہ اولاد کو تعلیم دے، ان کی تربیت کرے، انہیں نیکی پر آمادہ کرے، اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرنے والا بنائے، انہیں کفر سے، گناہوں سے، بری عادتوں اور شر و فساد سے دور رکھے اور اس طرح انہیں جہنم کی آگ سے بچالے۔

پہلی آیت کریمہ ﴿ وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ ﴾ (مائیں اپنے بچوں کو دودھ پلائیں) سے ثابت ہوتا ہے کہ اولاد کے اخراجات کی ذمہ داری والد پر ہے، کیونکہ دودھ پلانے والی کا خرچ برداشت کرنے کی وجہ یہی ہے کہ وہ اس کے بچے کو دودھ پلا رہی ہے۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

﴿ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ﴾ (بنی اسراءیل: ۳۱)

"تنگ دستی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کر دیا کرو۔"

(۲) جنابِ رسول اللہ ﷺ سے سب سے بڑے گناہ کے متعلق سوال کیا گیا تو

آنحضرت ﷺ نے یہ بڑے بڑے گناہ ذکر فرمائے :

((اَنْ تَجْعَلَ لِلّٰهِ نِدًّا وَهُوَ خَلَقَكَ ... اَنْ تَقْتُلَ وَلَدَكَ خَشْيَةَ اَنْ يَّطْعَمَ مَعَكَ ... اَنْ تُزَانِيَ بِحَلِيْلَةِ جَارِكَ)) (۱۲)

"کہ تُو کسی کو اللہ کا ہمسر قرار دے حالانکہ اس نے تجھے پیدا کیا ہے' اور یہ کہ تُو اپنے بیٹے کو قتل کردے صرف اس ڈر سے کہ وہ تیرے ساتھ کھانا کھائے گا' اور یہ کہ تُو اپنے پڑوسی کی بیوی سے بدکاری کرے"۔

بچوں کو قتل کرنا ممنوع ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ ان سے رحمت و شفقت کا سلوک کیا جائے اور ان کے جسموں' عقلوں اور جانوں کی حفاظت کی جائے۔

عقیقہ کے متعلق جنابِ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((اَلْغُلَامُ مُرْتَهَنٌ بِعَقِيْقَتِهٖ' يُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ السَّابِعِ وَيُسَمّٰى وَيُحْلَقُ رَأْسُهٗ)) (۱۳)

"لڑکا عقیقہ کے بدلے گروی ہوتا ہے' ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے' بچے کا نام رکھا جائے اور اس کے سر کے بال اتارے جائیں"۔

ارشادِ نبوی ہے :

((اَلْفِطْرَةُ خَمْسٌ: اَلْخِتَانُ' وَالْاِسْتِحْدَادُ وَقَصُّ الشَّارِبِ وَتَقْلِيْمُ الْاَظْفَارِ وَنَتْفُ الْاِبِطِ)) (۱۴)

"پانچ چیزیں فطرت میں شامل ہیں: ختنہ کرنا' زیرناف کے بال مونڈنا' مونچھیں کاٹنا' ناخن تراشنا اور بغلوں کے بال اکھیڑنا"۔

نیز فرمایا :

((اَكْرِمُوْا اَوْلَادَكُمْ وَاَحْسِنُوْا اَدَبَهُمْ' فَاِنَّ اَوْلَادَكُمْ هَدِيَّةٌ اِلَيْكُمْ)) (۱۵)

"اپنی اولاد کی عزت کرو' * انہیں اچھے آداب سکھاؤ' کیونکہ تمہاری اولاد تمہارے لیے (اللہ کا) تحفہ ہے"۔

اس کے علاوہ ارشاد فرمایا :

☆ یعنی ان کی عزتِ نفس کا خیال رکھو' انہیں بلاوجہ ذلیل نہ کرو۔

((سَاوُوْا بَيْنَ اَوْلَادِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ فَلَوْ كُنْتُ مُفَضِّلاً اَحَدًا لَفَضَّلْتُ النِّسَاءَ)) (۱۶)

"عطیہ دینے میں اولاد سے برابری کا سلوک کرو' اگر میں کسی کو فضیلت (اور ترجیح) دیتا تو لڑکیوں کو ترجیح دیتا"۔

نیز ارشادِ نبوی ہے:

((مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ' وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِيْنَ' وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ)) (۱۷)

"اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہو جائیں' اور انہیں اس (کی ادائیگی میں کوتاہی' یا ادا نہ کرنے) کی وجہ سے پیٹو (جسمانی سزا دو) جب وہ دس سال کے ہوں۔ اور انہیں بستروں میں الگ الگ سلاؤ"۔

حدیث میں والد پر اولاد کا یہ حق مذکور ہے کہ وہ اسے اچھے آداب سکھائے اور اس کا اچھا نام رکھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "باپ پر اولاد کا یہ حق ہے کہ وہ اسے لکھنا اور تیراندازی سکھائے اور حلال وطیب روزی کھلائے"۔ آپؓ سے یہ فرمان بھی مروی ہے: "نیک خاندان میں شادی کرو' کیونکہ اولاد کی عادات سے آباء واجداد کا پتہ چل جاتا ہے"۔ ایک اعرابی نے اپنی اولاد پر اپنے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ میں نے تمہارے لیے اچھی ماں منتخب کی۔ وہ کہتا ہے:

وَاَوَّلُ اِحْسَانِيْ اِلَيْكُمْ تَخَيُّرِيْ
لِمَاجِدَةِ الْاَعْرَاقِ بَادٍ عِفَافُهَا

"تم پر میرا سب سے پہلا احسان یہ ہے کہ میں نے شریف خاندان کی عورت منتخب کی' جس کی پاک دامنی واضح تھی۔"

۳۔ بھائی

مسلمان اپنے بھائیوں کے وہی آداب سمجھتا ہے جو والد کے اور اولاد کے ہیں۔ چھوٹے بھائیوں کو بڑے بھائیوں کے لیے انہی آداب کا خیال رکھنا چاہیئے جن کو والد کے لیے ملحوظ رکھتے ہیں۔ اور بڑے بھائی چھوٹے بھائیوں کے لیے انہی حقوق و فرائض اور

آداب کو پیش نظر رکھیں جن حقوق و فرائض اور آداب کا خیال رکھنا والدین کے لیے ضروری ہے۔ کیونکہ حدیث میں آیا ہے: "بڑے بھائیوں کا چھوٹے بھائیوں پر ویسا ہی حق ہے جیسا باپ کا حق بیٹے پر ہوتا ہے"۔[۱۸] اور جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

((بَرَّ اُمَّكَ وَ اَبَاكَ، ثُمَّ اُخْتَكَ وَ اَخَاكَ، ثُمَّ اَدْنَاكَ فَاَدْنَاكَ))[۱۹]

"اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے نیکی کر، پھر اپنی بہن اور بھائی سے، پھر جو زیادہ قریبی (رشتہ) ہو، پھر جو (اس کے بعد) قریبی رشتہ ہو"۔

حواشی

(۱) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب من احق الناس بحسن الصحبة۔ وصحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب بر الوالدین وایهما احق به

(۲) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب عقوق الوالدین من الکبائر۔ وصحیح مسلم، کتاب الاقضیة، باب النهی عن کثرة المسائل من غیر حاجة....

(۳) صحیح البخاری، کتاب الشهادات، باب ما قیل فی شهادة الزور۔ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب الکبائر واکبرها

(۴) صحیح مسلم، کتاب العتق، باب فضل عتق الوالد

(۵) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب قوله ﴿ وَوَصَّيْنَا الْاِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ ﴾۔ وصحیح مسلم، کتاب الایمان، باب کون الایمان باللّٰه تعالی افضل الاعمال (ان دونوں روایتوں میں ان اعمال سے پہلے وقت پر نماز پڑھنے کا بھی ذکر ہے)

(۶) صحیح البخاری، کتاب الادب، باب لا یجاهد الا باذن الوالدین۔ وصحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب بر الوالدین وایهما احق به۔

(۷) مثلاً چچا، ماموں، خالہ، پھوپھی اور ان کی اولاد وغیرہ۔

(۸) سنن ابی داؤد، باب فی بر الوالدین (نحوه)

(۹) صحیح مسلم، کتاب البر والصلة، باب فضل صلة اصدقاء الاب والأم ونحوهما

(۱۰) صحیح البخاری، کتاب الاحکام، باب السمع والطاعة للامام ما لم تکن معصیة۔ وصحیح مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیة وتحریمها فی المعصیة

(۱۱) صحیح البخاری، کتاب اخبار الاحاد، باب ما جاء فی اجازة خبر الواحد الصدوق فی الاذان والصلوٰة والصوم والفرائض والاحکام۔

(۱۲) صحیح البخاری' کتاب الادب' باب قتل الولد خشیة ان یاکل معه۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب کون الشرك اقبح الذنوب وبیان اعظمها بعده۔

(۱۳) ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔ جامع الترمذی' کتاب الاضاحی' باب فی العقیقة۔ و سنن ابی داؤد' کتاب الاضاحی' باب فی العقیقة۔ و سنن النسائی' کتاب العقیقة' باب متی یعق۔ و سنن ابن ماجه' ابواب الذبائح' باب العقیقة۔

(۱۴) صحاح ستہ کی تمام کتابوں میں مروی ہے۔ دیکھئے صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب تقلیم الاظفار۔ وصحیح مسلم' کتاب الطهارة' باب خصال الفطرة۔

(۱۵) ابن ماجه' کتاب الادب' باب بر الوالد والاحسان الی البنات (صرف پہلا فقرہ) اس کی سند ضعیف ہے۔

(۱۶) بیهقی' ابواب عطیة الرجل ولده' باب السنة فی التسویة بین الاولاد فی العطیة۔ حافظ ابن حجر نے اسے حسن قرار دیا ہے۔

(۱۷) معجم الطبرانی' و سنن ابی داؤد' کتاب الصلوٰة' باب متی یومر الغلام بالصلوٰة و جامع الترمذی' ابواب الصلوٰة' باب متی یومر الصبی بالصلاة (قدرے مختلف الفاظ سے) امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے۔

(۱۸) بیہقی۔ اس کی سند ضعیف ہے۔

(۱۹) اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا ہے۔ اسی مفہوم کی حدیث صحیحین اور سنن اربعہ میں موجود ہے۔ دیکھئے صحیح البخاری' کتاب الادب' باب من احق الناس بحسن الصحبة (اس روایت میں صرف والدین کا ذکر ہے) وصحیح مسلم' کتاب البر والصلة والآداب' باب بر الوالدین وایهما احق به (اس روایت میں بہن بھائی کا ذکر نہیں)۔

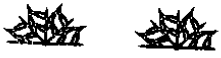

قرآن حکیم کی مقدس آیات اور احادیث آپ کی دینی معلومات میں اضافے اور تبلیغ کے لئے شائع کی جاتی ہیں۔ ان کا احترام آپ پر فرض ہے لہٰذا جن صفحات پر یہ آیات درج ہیں ان کو صحیح اسلامی طریقے کے مطابق بے حرمتی سے محفوظ رکھیں۔

جنگی قیدیوں کے ساتھ سلوک

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

تحریر: انجینئر کرم الٰہی انصاری

افغانستان میں امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی طالبان اور القاعدہ کے خلاف جنگ کے بعد دسمبر ۲۰۰۱ء میں اخبارات میں خبر پڑھی کہ قندھار سے القاعدہ کے کچھ قیدیوں کو امریکن جہاز میں کیوبا پہنچایا گیا۔ قندھار میں جہاز پر چڑھانے سے قبل ان قیدیوں کے تمام کپڑے اس یخ بستہ موسم میں اتروا لئے گئے' ان کو پہننے کو صرف انڈرویئر دیئے گئے' ان کی داڑھیاں مونڈ دی گئیں اور ان کے چہروں پر ماسک پہنا دیئے گئے اور پھر جہاز میں ان کو سیٹوں کے ساتھ باندھ دیا گیا۔ اس ضمن میں امریکہ کے وزیر دفاع کا بیان بھی آیا کہ مذکورہ قیدیوں کے کوئی انسانی حقوق نہیں۔ اس خبر پر دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ میں احتجاج ہوا۔ اس عالمی احتجاج کا نتیجہ تھا کہ مؤرخہ ۱۶ جنوری ۲۰۰۲ء کو خبر آئی کہ امریکہ نے اعلان کیا ہے کہ ان قیدیوں کے ساتھ جنیوا کنونشن کے مطابق سلوک کیا جائے گا۔ جنیوا کنونشن کے قیدیوں کو عطا کردہ کیا قوانین ہیں راقم کو اس کا زیادہ علم نہیں۔ بہرحال جن قوانین کو دنیا بھر کی اقوام نے قبول کیا ہے وہ اچھے ہی ہوں گے۔ لیکن مؤرخہ ۱۶ جنوری کے بعد سے اب تک کوئی خبر ایسی نہیں آئی کہ مذکورہ قیدیوں کے ساتھ واقعی جنیوا کنونشن کے قوانین کے مطابق عمل شروع ہو گیا ہے' بلکہ یہ خبر آئی ہے کہ ان قیدیوں کو آہنی پنجروں میں رکھا جا رہا ہے۔

ایک طرف غیر مسلموں کا مذکورہ بالا ظالمانہ نظام ہے جو تمام تر انسانی خواہشات اور جذبہ انتقام پر مبنی ہے اور دوسری طرف اسلام کا آفاقی نظام حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبہ میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور اس کے رسول کے اُسوۂ حسنہ پر مبنی قوانین دیتا

ہے۔ آیئے دیکھیں کہ اسلام اس بارے میں کیا قوانین دیتا ہے؟

جنگی قیدیوں کے بارے میں اسلام واضح قوانین رکھتا ہے۔ مضمون کو عام قارئین کے لئے قابل فہم اور مختصر رکھنے کے لئے اس میں تفصیلی شرعی مباحث کی بجائے مضمون میں بیان کردہ اصولوں کو نمبر دے کر قرآن وحدیث سے حوالہ جات دیئے جارہے ہیں جن سے یہ اصول اخذ کئے گئے ہیں۔

اس ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلام جنگ کو صرف دو ہی صورتوں میں جائز قرار دیتا ہے۔ ایک تو یہ کہ مسلمان یہ جنگ اپنے دفاع میں لڑیں۔ (۱) دوسرے یہ کہ اگر یہ جنگ جارحانہ ہو تو صرف اسی صورت میں جائز ہے جب یہ جنگ فی سبیل اللہ (اللہ کی راہ میں) یعنی اس زمین پر اللہ کا نظام یعنی اسلامی نظامِ حیات نافذ کرنے کے لئے لڑی جائے اور اس کا مقصد دشمن کے علاقے میں لوگوں کو اللہ کی طرف سے عطا کردہ حقوق یعنی حقوق العباد کو جو غصب کر لئے گئے ہوں، بحال کرانا ہو۔ (۲) ہر وہ جنگ جو اس مقصد کے علاوہ مثلاً کسی علاقے پر قبضہ کرنے یا اپنی قومی برتری منوانے یا مذکورہ بالا اسلامی مقاصد کے علاوہ کسی بھی اور مقصد کے لئے لڑی جائے فی سبیل اللہ جنگ نہیں کہلائے گی۔

اسلامی نظامِ جنگ اس بات کو ترجیح دیتا ہے کہ کسی بھی لڑائی یا معرکے میں جب تک دشمن کو کچل نہ دیا جائے اس کے سپاہیوں کو قیدی نہ بنایا جائے۔ (۳) اور خود اسلامی فوجیوں کو قیدی بننے کی اجازت ہے ہی نہیں، سوائے اس کے کہ وہ انتہائی زخمی حالت میں یا کسی دوسری صورت مثلاً دھوکہ کھا کر دشمن کے ہاتھ لگ جائیں۔ ہتھیار پھینکنا تو دُور کی بات ہے اسلام اس کی بھی اجازت نہیں دیتا کہ دشمن کے مقابلے میں پیٹھ دکھائی جائے، سوائے اس کے کہ وہ جنگی چال کے طور پر ہو یا پھر اپنے ساتھیوں کے ساتھ جا ملنے کے لئے ہو۔ مختصر یہ کہ اسلامی نظامِ جنگ فتح یا شہادت کے اصول پر مبنی ہے۔ (۴)

کسی مخصوص دشمن کے ساتھ فی سبیل اللہ جنگ کے کئی معرکے ہو سکتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ دشمن ان میں سے کسی ایک یا زیادہ معرکوں میں شکست کھا جائے اور اس کے فوجی ہتھیار پھینک کر اپنے آپ کو مسلمانوں کے حوالے کر دیں، لیکن اس کے باوجود دشمن کی

جنگی صلاحیت باقی ہو اور وہ مزید لڑائیاں یا معرکے لڑنے اور اپنے قیدیوں کو چھڑوانے کے قابل ہو' اور اس طرح یہ جنگ حتمی طور پر ختم نہ ہو۔ ایسی صورت میں دشمن کے ایسے معرکے یا معرکوں میں پکڑے گئے فوجی اسلامی اصطلاح میں اسیر یا جنگی قیدی کہلاتے ہیں۔ (۵) لیکن اگر چند معرکوں یا ایک ہی معرکے کے بعد دشمن کی کمر ٹوٹ جائے اور اس کی جنگی صلاحیت بالکل ختم ہو جائے اور اس طرح اس دشمن کے ساتھ فی سبیل اللہ جنگ حتمی طور پر ختم ہو جائے اور میدان جنگ سے دشمن کے پکڑے گئے سپاہیوں (مرد و عورت) اور جنگی خدمات سرانجام دینے والے دوسرے افراد' مثلاً کھانے پینے کا بندوبست کرنے والے افراد' ناچ گا کر فوجیوں کی تفریح کا سامان کرنے والی خواتین' جنسی خدمات سرانجام دینے والے مرد و خواتین وغیرہ کو لڑ کر مسلمانوں سے رہائی دلانے والا کوئی نہ رہے تو پھر اس آخری معرکہ میں پکڑے گئے افراد مال غنیمت کی طرح مسلمانوں کی ملکیت میں آ جاتے ہیں اور ان کو غلام اور لونڈیاں بنا لیا جاتا ہے۔ (۶)

میدان جنگ سے پکڑے گئے مذکورہ بالا دونوں قسم کے افراد کے بارے میں اسلامی قوانین اختصار کے ساتھ درج ذیل ہیں:

اسیروں یا جنگی قیدیوں کے بارے میں قوانین

جب کسی معرکے میں دشمن کو کچل کر اُن کے سپاہیوں اور دیگر افراد سے ہتھیار رکھوا کر ان کو گرفتار کر لیا جائے تو ان سے فرداً فرداً بھی اور مجموعی طور پر ایک مضبوط معاہدہ کیا جاتا ہے' جس کی شرائط موقع و محل کے پیش نظر مندرجہ ذیل یا اس سے کم یا زیادہ ہو سکتی ہیں۔ ایسی شرائط کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلام کے حقوق العباد سے متعلق کسی قانون کی خلاف ورزی نہ کرتی ہوں۔

اسیر کی جان بخشی اس شرط پر کی جا رہی ہے کہ:

۱) وہ مسلمانوں کی قید سے بھاگنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ (۷)

۲) مسلمانوں کے مجموعی مفاد کے خلاف کوئی کام نہیں کرے گا۔ مثلاً مسلمانوں کے خلاف اپنی قوم کے لئے یا کسی دوسری قوم کے لئے جاسوسی کرنا' مسلمانوں کے

خلاف اپنے ساتھی قیدیوں یا مسلمانوں کے اندرونی و بیرونی دشمنوں کے ساتھ سازش میں شریک ہونا' اسلام کے علاوہ کسی مذہب کی تبلیغ کرنا وغیرہ۔ (۸)

۳) قید کے دوران وہ مسلمانوں کے پبلک لاء یا حقوق العباد سے متعلق قوانین' یعنی قانون تعزیر' قانون دیت وقصاص' قانونِ حدود' قانون ملکیت وغیرہ وغیرہ کا پابند رہے گا۔ البتہ وہ اپنے پرسنل لاء یعنی نکاح وطلاق وغیرہ کے قوانین کے بارے میں اپنے قوانین پر عمل کرسکتا ہے۔ مثلاً اگر ایک قیدی مرد ایک قیدی خاتون سے شادی کرنا چاہتا ہے تو اپنے قوانین کے مطابق ایسا کرسکتا ہے بشرطیکہ اسلامی حکومت اسے ایسا کرنے کی اجازت دے۔ (۹)

۴) قیدی یا قیدیوں کو اسلامی حکومت اپنی یا اپنے کسی بھی شہری کی تحویل میں رکھ سکتی ہے۔ (۱۰)

۵) حکومت اگر قیدی کو اپنی تحویل (مثلاً جیل) میں رکھے گی تو وہ ایک اوسط اسلامی شہری کے برابر بنیادی ضروریات مثلاً کھانا' موسم کے مطابق کپڑے اور بستر اور بیمار ہونے کی صورت میں علاج معالجہ وغیرہ کی سہولتیں قیدی کو مہیا کرنے کی پابند ہو گی۔ (۱۱)

۶) اگر اسلامی حکومت قیدی کو اپنے کسی شہری کی تحویل میں دیتی ہے تو مذکورہ شہری قیدی کو کھانے پینے' کپڑے' بستر وغیرہ کی صورت میں اسی قسم کی سہولتیں دے گا جو وہ شہری خود استعمال کر رہا ہے۔ (۱۲)

۷) قید کے دوران قیدی پر کوئی تشدد بشمول جنسی تشدد کے نہیں کیا جائے گا۔ اگر کوئی مسلمان شہری یا قیدی کا کوئی اپنا ساتھی ایسا کرے گا تو قیدی کو اسلامی عدالت سے رجوع کرنے کی سہولت بہم پہنچائی جائے گی۔ (۱۳)

۸) قید کے دوران حکومت یا اس کے مندرجہ بالا مذکورہ شہری قیدی سے معمول کی مزدوری یا خدمت لے سکتے ہیں اور اس مزدوری کا ایک مناسب حصہ وہ خود رکھ سکتے ہیں۔ (مثلاً ۵۰ فیصد یا اس سے کم' حالات کے مطابق)۔ (۱۴)

۹) قید کے دوران قیدیوں سے جنگی خدمت نہیں لی جائے گی۔ (۱۵)

۱۰) قید کے دوران اُن کی اہانت (مثلاً گالیاں دینا' منہ پر مارنا' داڑھی یا بھویں منڈوانا' منہ کالا کرنا' گدھے پر سوار کر کے شہر کا چکر لگوانا' قیدیوں کا مخصوص لباس پہنانا وغیرہ) نہیں کی جائے گی۔ ایسا کرنا جرم ہوگا' جس کے خلاف قیدی اسلامی عدالت سے رجوع کر سکتا ہے۔ (۱۶)

[حتیٰ کہ غلاموں اور لونڈیوں کے بارے میں تو ''میرا غلام'' (عبد) یا ''میری لونڈی'' (امۃ) کہنا بھی جائز نہیں' بلکہ میرا لڑکا (عربی لفظ غلام بمعنی لڑکا) یا میری لڑکی کہے۔]

۱۱) دورانِ قید' قیدی اپنے مذہب کے مطابق عبادت کر سکتا ہے۔ (۱۷)

۱۱ ا) قیدیوں میں موجود قریبی خونی رشتہ داروں مثلاً میاں بیوی' باپ بیٹا' ماں بیٹی وغیرہ کو الگ الگ نہیں کیا جائے گا۔ یعنی یہ نہیں ہوگا کہ بیوی کسی ایک شہری کی تحویل میں دے دی جائے اور شوہر کسی دوسرے شہری کی تحویل میں' بلکہ دونوں کو ایک ہی شہری کی تحویل میں ایک ہی جگہ رکھا جائے گا۔ (۱۸)

۱۲) قید کے دوران قیدی خود چاہے تو اسلام قبول کر سکتا ہے لیکن اُسے اس پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔ لیکن قید کے دوران اسلام قبول کرنے پر اُسے آزاد نہیں کیا جائے گا۔ (۱۹)

۱۳) قید کے دوران اگر کوئی قیدی اچھے رویّے کا مظاہرہ کرے گا تو اُسے احسان کے طور پر یعنی بغیر فدیہ لئے یا فدیہ لے کر رہا کیا جا سکتا ہے۔ فدیہ کی رقم کی دستیابی کے لئے ایسے قیدی کو عامۃ المسلمین سے صدقہ وخیرات لینے کا موقع دیا جائے گا اور وہ بیت المال سے بھی رجوع کر سکے گا۔ (۲۰)

۱۳ ا) اسیر کو کسی کے پاس بیچا نہیں جا سکے گا' کیونکہ وہ کسی کی ملکیت نہیں۔

۱۴) قید کے دوران اسلامی حکومت قیدیوں کو ان کے کسی دوسرے دشمن کے حوالے نہیں کرے گی۔ (۲۱)

۱۵) قید کے دوران کسی بھی وقت اسلامی حکومت قیدیوں کو انفرادی یا مجموعی طور پر اُن کی

قوم یا حکومت کے ساتھ معاہدہ کر کے ان کو رہا کر سکتی ہے۔ لیکن جو قیدی خود مسلمانوں کی تحویل میں رہنا پسند کرے اسلامی حکومت اُس کی ایسی درخواست پر غور کرے گی اور فیصلہ اسلام کے مجموعی مفاد میں دے گی۔ (۲۲)

۱۶) کوئی بھی دوسری شرط جو اسلامی اصولوں کے مطابق اور اسلام کے مجموعی مفاد میں ہو حالات و واقعات کی روشنی میں عائد کی جا سکتی ہے۔

غلام اور لونڈیاں

جب دشمن آخری معرکہ میں مسلمانوں سے شکست کھا جائے اور اُس کی فوجی قوت حتمی طور پر ختم ہو جائے اور اس طرح جنگ یعنی حرب بھی حتمی طور پر ختم ہو جائے تو ایسے معرکے میں پکڑے جانے والے افراد کو لونڈیاں اور غلام بنا لیا جائے گا۔ اور مالِ غنیمت کی طرح اُن کو اسلامی فوج کے سپاہیوں میں تقسیم کیا جائے گا۔ لونڈیوں اور غلاموں کے بارے میں قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر آنے والے الفاظ ﴿مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ﴾ (جو تم نے اپنے دائیں ہاتھ یعنی زور بازو سے حاصل کیا) کا یہی مطلب نکلتا ہے۔ واضح رہے کہ اس آخری معرکے سے پہلے کے معرکوں میں پکڑے گئے افراد جنہوں نے مندرجہ بالا معاہدہ کو قبول کر لیا ہو، جنگی قیدی یا اسیر ہی تصور کئے جائیں گے، اُن کو لونڈیاں اور غلام نہیں بنایا جائے گا اور ان کی رہائی مندرجہ بالا معاہدے کے مطابق ہی ہوگی۔

غلاموں، لونڈیوں اور اسلامی حکومت کے درمیان طے پانے والے معاہدے میں مندرجہ بالا اسیروں کے معاہدے کی وہ تمام دفعات جو مندرجہ ذیل دفعات سے نہیں ٹکراتیں، شامل ہوں گی:

۱) غلامی میں آنے کے بعد غلاموں اور لونڈیوں کے غلامی میں آنے سے پہلے کے نکاح ختم ہو جائیں گے اور اسلامی عدالت میں چیلنج نہیں ہو سکیں گے۔ (۲۳)

۲) خواتین غلاموں یعنی لونڈیوں سے ان کے مالک دوسری خدمات کے علاوہ بغیر اُن سے نکاح کئے جنسی تعلقات بھی قائم کر سکیں گے۔ لیکن کسی بھی لونڈی کے مالک کے

علاوہ کوئی دوسرا شخص اس سے جنسی تعلقات نہیں رکھ سکے گا۔ اگر کوئی لونڈی اور ایسا کوئی شخص جنسی تعلقات رکھے گا یا کوئی شخص کسی اور کی لونڈی کی جبراً عصمت دری کرے گا تو ایسے افراد کو اسلام کے قانونِ حدود کے مطابق سزا دی جائے گی' یعنی لونڈی کی حیثیت تقریباً مالک کی بیوی کی طرح ہی ہوگی۔ (۲۴)

۳) غلام و لونڈی کا مالک اُن کو کسی دوسرے شخص کے پاس بیچنے کا مجاز ہوگا (۲۵) (واضح رہے کہ لونڈی اس لحاظ سے مالک کی مکمل بیوی نہیں اور نہ ہی اُسے مکمل بیوی کے حقوق حاصل ہیں۔ کیونکہ بیوی کو طلاق دی جا سکتی ہے لیکن اسے بیچا نہیں جا سکتا۔ نیز بیوی خلع یعنی رقم دے کر طلاق طلب کر سکتی ہے لیکن لونڈی ایسا نہیں کر سکتی۔ بیوی خاوند کی وراثت میں حصہ پاتی ہے جبکہ لونڈی خود وراثت کے مال میں شامل ہوتی ہے۔ نیز ایک ہی وقت میں بیویوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ چار تک محدود ہے لیکن لونڈیوں کی تعداد کی کوئی قید نہیں وغیرہ)

۴) مالک کے لونڈی کے ساتھ جنسی تعلقات کے نتیجے میں جو اولاد پیدا ہوگی وہ مالک کی قانونی اولاد تصور کی جائے گی اور اس کی وراثت میں حق دار ہوگی۔ (۲۶)

۵) اگر کوئی غلام کسی مسلمان خاتون کی ملکیت میں آ جائے گا تو وہ خاتون اس سے جنسی تعلقات نہیں رکھ سکے گی' کیونکہ وہ اپنے خاوند کے علاوہ ہر مرد اور کنواری ہونے کی صورت میں بغیر نکاح ہر مرد پر حرام ہے۔ (۲۷)

۶) غلام اور لونڈیاں اپنے مالکوں کی اجازت سے آپس میں نکاح کر سکتے ہیں۔ نیز ایسی اجازت سے وہ آزاد مسلمان مَرد و عورت سے بھی نکاح کر سکتے ہیں بشرطیکہ وہ اس سے قبل مسلمان ہو جائیں۔ ایسے نکاح کے بعد مذکورہ لونڈیاں اپنے مالکوں پر حرام ہو جائیں گی اور وہ اُن سے جنسی تعلقات نہیں رکھ سکیں گے' البتہ وہ ان سے دوسری خدمات مثلاً گھریلو کام کاج وغیرہ لے سکیں گے۔ (۲۸)

۷) لونڈیوں سے قحبہ گری نہیں کرائی جائے گی۔ ایسا کرنا قانون کے مطابق قابلِ سزا ہوگا۔ (۲۹)

۸) غلام اور لونڈیاں اپنے مالک سے ''مکاتبت'' یعنی آزادی کا معاملہ طے کر سکتے

ہیں۔یعنی مالک کو کچھ رقم یا کوئی دوسری خدمت مثلاً کچھ بچوں کو پڑھانا وغیرہ کے عوض آزادی طلب کر سکتے ہیں۔اس معاملہ میں مالک کو ایسے غلاموں ولونڈیوں سے مکاتبت کرنے کی ترغیب دی گئی ہے جن کا غلامی کے دوران رویّہ اچھا رہا ہو اور اُنہوں نے مالک کو تنگ نہ کیا ہو۔اس معاملے میں اسیروں کی طرح غلاموں اور لونڈیوں کو بھی مطلوبہ رقم کے حصول کے لئے مسلمان اہلِ خیر سے خیرات طلب کرنے کی اجازت دی جائے گی۔(۳۰)

لیکن ایسے غلاموں اور لونڈیوں کو آزاد نہیں کیا جائے گا جن کا غلامی کے دوران رویّہ درست نہ رہا ہو۔رہائی پانے والے غلام اگر اسلام قبول نہیں کریں گے تو اپنی قوم کی طرح وہ ذمّی تصور ہوں گے اور اسلامی حکومت کو جزیہ دینے کے پابند ہوں گے۔ رہائی پانے کے بعد اُن کے پہلے خاوند اور بیویاں ان پر کوئی قانونی حق نہیں رکھیں گے' البتہ اگر فریقین چاہیں تو آزاد مرضی سے دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں۔

نیز متعدد احادیث میں مالکوں کو غلاموں اور لونڈیوں سے کچھ لئے بغیر بھی ان کو آزاد کرنے اور بڑا اجر کمانے کی ترغیب دی گئی ہے۔(۳۱)

۹) لونڈیوں اور غلاموں کو ذاتی ملکیت کا حق ہوگا۔یعنی وہ اس مال کے مالک ہوں گے جو ان کا مالک ان کو دے گا یا جو اہلِ خیر اُن کو دیں گے' یا جو کسی اور جائز طریقے سے ان تک پہنچے گا۔(مثلاً مالک کی مرضی سے کسی کی مزدوری کر کے جس میں سے وہ کچھ حصّہ مالک کو بھی پیشگی شرط کے تحت دیں گے وغیرہ) لیکن اگر مالک غلام کو کچھ لئے بغیر آزاد کر دے یا کوئی اور شخص اس کو مالک سے خرید کر آزاد کر دے تو پھر غلام کی ملکیت میں جو مال ہے (جسے شرعی اصطلاح میں ولاء کہا جاتا ہے) وہ آزاد کرنے والے کو ملے گا۔(۳۲)

موجودہ دَور میں اسلام کے خلاف اس بارے میں ایک بہت بڑا پراپیگنڈا یہ کیا جا رہا ہے کہ اسلام نے غلامی کو فروغ دیا ہے جو کہ ایک غیر انسانی فعل ہے۔دراصل ایسا پراپیگنڈا بدنیتی پر مبنی ہے۔غلامی کو اسلام نے نہ تو شروع کیا اور نہ ہی اسے فروغ دیا۔

غلامی اسلام سے پہلے سے موجود تھی اور غلاموں کے کوئی حقوق غیر مسلموں نے مقرر نہیں کر رکھے تھے۔ غلاموں کے ساتھ جانوروں سے بھی بدتر سلوک ہوتا تھا۔ فاتح قومیں نہ صرف میدانِ جنگ میں پکڑی جانے والی عورتوں بلکہ مفتوحہ علاقوں میں موجود عورتوں سے بھی آزادانہ شہوت رانی کرتیں بلکہ بیشتر کو بعد میں قتل بھی کر دیتے۔ مَردوں کو اکثر اوقات اس سے بھی بدتر حالات کا سامنا کرنا پڑتا۔ ان پر بے پناہ تشدد کیا جاتا' ان کے چہروں کو جانوروں کی طرح داغا جاتا' ان کے ناکوں میں نکیل ڈال کر کھینچا جاتا اور جانوروں کی طرح باندھا جاتا۔ ذرا ذرا سی بات پر انہیں کوڑوں کی سزا دی جاتیں اور اب ان کو پنجروں میں رکھنے کی مثال بھی آ گئی ہے۔

اسلام نے غلامی کو تو برقرار رکھا لیکن مذکورہ بالا صورتِ حال کی اصلاح کی اور ان کو وہ حقوق دیئے جو اوپر درج کیے گئے ہیں اور جو انسانوں کے وضع کردہ کسی بھی انسانی حقوق کے چارٹر میں موجود نہیں۔ اگر اسلام غلامی کو ناجائز قرار دے کر اسے ختم کر دیتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ اگر مسلمان کسی غیر مسلم قوم پر فتح پاتے تو اُن کے ہاتھ بندھے ہوئے ہوتے اور اگر غیر مسلم مسلمانوں پر فتح پاتے تو وہ مسلمانوں کے ساتھ مذکورہ بالا قسم کا سلوک کرنے میں آزاد ہوتے۔ اس طرح مسلمان غیر مسلم اقوام کے لئے لقمۂ تر بن جاتے۔ لہٰذا اس صورتِ حال سے بچنے کے لئے Tit for tat کے اصول پر غلامی کو اسلام میں جائز رکھا گیا ہے' لیکن اس کو ایسے قوانین کا پابند بنایا گیا ہے اور غلاموں اور لونڈیوں کو وہ وہ حقوق دیئے گئے ہیں جن کا تصور بھی غیر مسلم اقوام نہیں کر سکتیں۔ لہٰذا غلاموں کے بارے میں اسلام کے خلاف پراپیگنڈا محض پراپیگنڈا ہی ہے' اس کی کوئی اصل نہیں۔

اسلام کا جنگی قیدیوں کے بارے میں سلوک کا مندرجہ بالا نظام سراسر قیدیوں کے بہترین مفاد میں ہے۔ قیدیوں کے ساتھ اسلام کے مندرجہ بالا بہترین سلوک کی وجہ سے مشکل حالات میں غیر مسلم اقوام کے سپاہی مسلمانوں کے ساتھ لڑ کر مرنے کی بجائے ان کے قیدی بن جانا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ دوسری طرف غیر مسلموں کے

قیدیوں کے ساتھ برے سلوک کی وجہ سے مسلمان سپاہی غیر مسلموں کے قیدی بن کر زندہ درگور ہونے کے بجائے ان کے ساتھ آخری سانس تک لڑتے ہیں۔ لہٰذا ایسی فوج پر جس کے سپاہی آخری سانس تک لڑنے کا جذبہ رکھتے ہوں، فتح پانا کوئی آسان کام نہیں۔

حواشی

۱) البقرۃ: ۱۹۰، ۱۹۱

۲) الانفال: ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰۔ النساء: ۷۴، ۷۵، ۷۶

۳) الانفال: ۶۷۔ محمد: ۴

۴) الانفال: ۱۵، ۱۶۔

۵) البقرۃ: ۸۵۔ محمد: ۴۔ الانفال ۶۷۔ صحیح البخاری، کتاب العتق، باب ۱۱، حدیث ۱ (آپ ﷺ کے چچا عباس کا جو کہ بدری قیدی تھے، فدیہ لیا گیا۔)

۶) الانفال: ۴۱۔ محمد: ۴ اور وہ ساری آیات مبارکہ جن میں 'مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ' کا ذکر ہے۔

۷) الانفال: ۷۰، ۷۱

۸) الانفال: ۷۰، ۷۱

۹) النور: ۳۲

۱۰) الانفال: ۷۰، ۷۱

۱۱) النساء: ۳۶۔ الروم: ۲۸۔ النحل: ۷۱۔ صحیح البخاری، کتاب العتق، باب ۱۵

۱۲) النساء: ۳۶۔ الروم: ۲۸، صحیح البخاری، کتاب العتق، باب ۱۵

۱۳) النساء: ۳۶۔ المائدۃ: ۴۵۔ النور: ۲۔ النساء: ۲۵۔ صحیح البخاری، کتاب العتق، باب ۱۴، ۱۵، ۱۷

۱۴) النساء: ۳۶، صحیح البخاری، کتاب العتق، باب ۱۴

۱۵) النساء: ۳۶۔

۱۶) المائدۃ: ۴۵۔ صحیح البخاری، کتاب العتق، باب ۔۱

۱۷) البقرۃ: ۲۵۶

۱۸) النساء: ۱۔ الاحزاب: ۶۔ محمد: ۲۲، ۲۳۔ ابن ماجہ، کتاب ۱۲، باب ۴۶

۱۹) البقرۃ: ۲۵۶۔ الانفال: ۷۰۔ مشکوٰۃ، باب حکم الاسراء، حدیث ۳۷۹۱

۲۰) محمد: ۴۔ الدھر: ۸۔ التوبۃ: ۶۰۔ صحیح البخاری، کتاب المکاتب، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی رہائی کی احادیث۔

۲۱) النساء: ۳۶۔

۲۲) محمد:۴۔ حضرت زید بن حارثہ کی رہائی لیکن ان کا نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہی رہنے پر اصرار۔ سیرت النبی، شبلی نعمانی، جلد دوم، اخلاق نبوی، غلاموں پر شفقت۔ صحیح البخاری، کتاب العتق، باب ۱۷

۲۳) النساء:۲۴

۲۴) النساء:۳۔ المؤمنون:۶، النساء:۲۴، ۲۵۔ النور:۲۔ تمام کتب احادیث میں حضرت ماعز بن مالک کی سنگساری کی حدیث۔

۲۵) قرآن کریم میں سورۂ بقرہ، سورۃ النساء، سورۃ النور میں ملکیت یعنی ''مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ'' کے الفاظ۔ صحیح البخاری، کتاب العتق، باب ۱۰، ۱۴، ۱۷۔

۲۶) النساء:۷، ۲۳

۲۷) النساء:۲۳، ۲۴

۲۸) النساء:۲۵۔ البقرۃ:۲۲۱۔ النور:۳۲

۲۹) النور:۳۳

۳۰) النور:۳۳۔ النساء:۳۶۔ البقرۃ:۱۷۷۔ البلد:۱۳۔ التوبۃ:۶۰۔ الدھر:۸۔ صحیح البخاری، کتاب المکاتب، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اپنی رہائی کے لئے خیرات طلب کی۔ نیز انہوں نے رہائی کے بعد اپنے سابقہ خاوند سے دوبارہ نکاح نہیں کیا۔

۳۱) صحیح البخاری، کتاب العتق۔

۳۲) النور:۳۳۔ صحیح البخاری، کتاب المکاتب، حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کی رہائی کی احادیث۔

ہفت روزہ لاہور
''ندائے خلافت'' کا ''فلسطین نمبر'' شائع ہو گیا ہے

جو عصر حاضر کے سنگین ترین اور عالم اسلام کے انتہائی حساس مسئلہ پر ایک تاریخی، معلوماتی اور حوالہ جاتی دستاویز سے کم نہیں!

قضیہ فلسطین کی دو ہزار سالہ تاریخ۔ مسلمانوں سے یہودیوں کی دیرینہ عداوت کے قصے۔
عصر حاضر میں یہود کی مکاری و عیاری کی خوفناک سازشیں اور فلسطین کا مستقبل،
یہ سب کچھ ''فلسطین نمبر'' میں شامل ہے

☆ رنگین دیدہ زیب ٹائٹل ☆ بیت المقدس کی تصاویر اور خاکوں پر مشتمل چار اضافی رنگین صفحات

☆ 100 صفحات ☆ قیمت صرف 35 روپے

قریبی نیوز ایجنسی سے حاصل کیجئے یا براہ راست ہم سے طلب کیجئے!

ہفت روزہ ''ندائے خلافت'' 36۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 03-5869501 فیکس: 5834000

شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات!

محمد فہیم، تمر گرہ

محمد فہیم صاحب نے، جن کا تعلق تنظیم اسلامی حلقہ سرحد شمالی سے ہے، زیر نظر مراسلہ جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے ایک ایسے مخلص اور اعلیٰ تعلیم یافتہ دوست کو تحریر کیا تھا جن کو دوسرے مخلص حضرات کی طرح یہ یقین ہے کہ اس ملک میں انتخابات کے ذریعے ''اسلامی انقلاب'' آ جائے گا۔ مراسلہ نگار نے اس خط میں اپنا نقطۂ نظر چونکہ اصولی انداز میں پیش کیا ہے لہٰذا اس میں عام احباب کے لئے بھی غور و فکر کا وافر سامان موجود ہے۔ (ادارہ)

میرے قابل قدر دینی بھائی!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

میں یہ خط آپ کو اس وعدے کے مطابق لکھ رہا ہوں جو میں نے آپ کے ساتھ اس موضوع پر بات کرتے ہوئے کیا تھا۔ یہی چیز دراصل اس خط کے لکھنے کی محرک بنی۔ آپ کے علاوہ چند دیگر حضرات سے بھی اس موضوع پر تسلسل کے ساتھ بات ہوتی رہی ہے۔ اور جب ان کے سامنے وضاحت کے ساتھ یہ بات رکھی گئی کہ انتخابات کے ذریعے اس ملک میں اسلامی نظام برپا کرنا ناممکن ہے تو وہ چونک گئے، اور جب میں نے بات کو آگے بڑھانے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ وہ حضرات کچھ سننے کو تیار نہیں اور جب وہ اپنی بات منوانے کے لئے خواہ مخواہ بحث مباحثہ پر اڑ گئے اور نہایت ہی سطحی اور superficial دلائل اور معلومات کا سہارا لینے لگے تو میں نے بحث ختم کرنے ہی میں عافیت سمجھی۔ لہٰذا اپنا نقطۂ نظر اس خط کے ذریعے واضح کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ لیکن شروع ہی میں یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ میں یہ باتیں ''اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ'' (حدیث نبویؐ) کے تحت لکھ رہا ہوں اور میرے دل میں آپ کی جماعت کی جو قدر و منزلت ہے میں اسی حوالے سے لکھ رہا ہوں۔ لہٰذا اگر خط کے بعض مندرجات آپ کے لئے ذرا اجنبی ہوں اور طبیعت کو بوجھل محسوس ہوں تو اس کے لئے پیشگی معذرت خواہ ہوں۔ ویسے جو باتیں میں لکھ رہا ہوں ان کا اطلاق تو کم و بیش ان تمام

دینی اور مذہبی جماعتوں پر ہوتا ہے جو انتخابات کے میدان میں مصروفِ عمل ہیں' تاہم میرا صل مخاطبہ جماعت اسلامی سے تعلق رکھنے والے بھائیوں سے ہے اور اس کی ایک وجہ ہے۔

وھو ھذا!

(۱) میں جماعت اسلامی کو ایک ایسی انقلابی جماعت تصور کرتا ہوں جس کی تخلیق ایک انقلابی نظریہ پر ہو چکی ہے اور اس کا خمیر انقلابی ہے نہ کہ انتخابی۔ جماعت کا دینی فکر ایک مکمل انقلابی فکر ہے اور اس میں دین کا واضح مفہوم اور فرائض دینی کا جامع تصور موجود ہے۔ لیکن جہاں تک طریقۂ کار کا تعلق ہے اور ہدف حاصل کرنے یعنی اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے انتخابات میں ملوث ہونا ہے میں اس کو ایک غلط طریق کار سمجھتا ہوں اور اس کام کو اظہار دین الحق کے لئے نامناسب خیال کرتا ہوں۔ میری خواہش اور دعا یہی ہے کہ اکابرین جماعت ایک دفعہ مل بیٹھ کر ٹھنڈے دل کے ساتھ اور جماعتی تعصب کو ایک طرف رکھتے ہوئے objectively دوبارہ نظر ثانی کریں کہ نصف صدی کا جو طویل عرصہ انتخابی میدان تیہہ کی نذر رہا وہ ان کو کہاں سے کہاں لے گیا ہے۔

ترسم کہ تو بہ کعبہ نہ رسی اے اعرابی
کیں راہ کہ تو می روی بہ ترکستان ست!

یہ تب ہو سکتا ہے جب ہماری ترجیحات دین اسلام کے لئے ہوں اور ہم جماعت یا کسی بھی اجتماعیت کو اس اصل ہدف کو حاصل کرنے کا ذریعہ سمجھیں اور جماعتی عصبیت کو اس سے زیادہ اہمیت نہ دیں۔ خدانخواستہ دین کے لئے ہمارا اخلاص تو برائے نام ہو اور ہمارا کل مقصد صرف اور صرف جماعت ہو تو پھر سوائے حسرت اور افسوس کے اور کچھ ہو ہی نہیں سکتا!

(۲) اسلامی انقلاب برپا کرنے کے لئے طریقہ بھی انقلابی ہونا چاہئے نہ کہ انتخابی! ہر ایک طریق کا ایک خاصہ ہوتا ہے۔ انتخابی عمل کا بنیادی خاصہ یہ ہے کہ یہ سسٹم یا نظام کو تبدیل کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ یہ اس موجودہ نظام کو چلانے کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اس میں ہاتھ بدلتے ہیں' سسٹم یا نظام تبدیل نہیں ہوا کرتا۔ کیا ہم حال یا ماضی سے کوئی ایسی مثال پیش کر سکتے ہیں جہاں انتخابات کے ذریعے دنیا کے کسی بھی گوشے میں نظام تبدیل کیا جا چکا ہو؟ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ دنیا میں جتنے بھی جزوی انقلابات برپا ہوئے ہیں وہ انقلابی شخصیتوں نے انقلابی طریقوں سے برپا کئے ہیں' انتخابی عمل سے نہیں۔ میں اپنے نقطۂ نظر کو واضح کرنے کے

لئے ایک مثال پیش کرتا ہوں کہ اگر کوئی کمیونسٹ آدمی کسی کمیونسٹ ملک سے جا کر امریکہ میں اس مقصد سے انتخابات میں حصہ لینا چاہے کہ وہ اس کے ذریعے وہاں کے نظام یعنی Capitalism کو تبدیل کر کے اس کی جگہ ایک اور سسٹم یعنی سوشلزم قائم کرے گا تو آپ اس آدمی کو کیا نام دیں گے؟ یقیناً آپ کہیں گے کہ اس آدمی کے دماغ میں کوئی خلل ہے' کیونکہ امریکہ میں ایک سسٹم یا نظام پہلے سے موجود ہے اور جو بھی سیاسی پارٹیاں وہاں انتخابات میں حصہ لیتی ہیں ان پر یہ نکتہ خوب واضح ہوتا ہے کہ وہ نظام کو تبدیل نہیں کرنا چاہتے بلکہ اس موجودہ نظام کو چلانے کے لئے ہاتھ تبدیل کرا رہے ہیں..... اسی طرح پاکستان ایک مسلمان (اسلامی نہیں) ملک ہے جہاں ایک سسٹم اور نظام موجود ہے' جس کا اگر نام رکھا جائے تو کچھ اس طرح ہو گا'' سرمایہ دارانہ' جاگیردارانہ' سودی' غیر معتدل' غیر متوازن' استحصالی نظام'' جس کے نیچے مسلمانوں کی اکثریت مقہور زندگی گزارنے پر مجبور ہے..... ہاں' جہاں تک مذہب کا تعلق ہے تو یقیناً مذہب تو اسلام ہے' مگر جہاں تک دین کا تعلق ہے تو یہاں مکمل ''غیر اسلامی دین'' چھایا ہوا ہے۔

اگر دین کا صحیح مفہوم واضح ہو تو یہ درحقیقت تین انفرادی اور تین اجتماعی گوشوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ انفرادی یعنی عقائد' عبادات اور کچھ سماجی رسومات' اور اجتماعی یعنی سیاسی' معاشی اور معاشرتی پہلو..... اب ذرا اس پر غور کریں کہ کیا وہ نظام جو ایک سیکولر سیاست' ایک سودی معیشت اور ایک بے خدا' اوباش' بے پردہ اور عریاں معاشرت پر پھل پھول رہا ہو کیا وہ انتخابی عمل سے اپنی جڑیں چھوڑ کر آپ کے نظام یعنی اسلامی نظام کے لئے آرام سے جگہ خالی کر دے گا؟ جبکہ ہم یہ بھی سمجھتے ہیں کہ ملک کی آبادی کی اکثریت سیکولر' بے پردہ' حرام خور اور آزاد منش لوگوں پر مشتمل ہے۔ اس میں عوام اور خواص دونوں شامل ہیں۔ کیا وہ اپنے ''دین'' کے خلاف اکثریت سے ووٹ دے کر اپنے پاؤں پر آپ کلہاڑی مارنے پر تیار ہو جائیں گے؟ کیا پاکستان کے جاگیردار' سرمایہ دار' سودخور' وڈیرے' چودھری' خوانین اور نام کے سید زادے اور ان کے متبعین اس پر تیار ہوں گے کہ وہ آپ (دینی جماعت) کو ووٹ دیں تاکہ آپ اُن پر ان کی حرام خوریاں اور خرمستیاں تلپٹ کر سکیں؟ ایسا نہیں ہو گا۔ شیر کے مُنہ سے نوالہ اس آسانی سے نہیں لیا جا سکتا۔

افسوس ہے کہ فی زمانہ لوگوں کے سامنے تبدیلی کے لئے چند ایک طریقے تو واضح ہیں'

مثلاً دعوت وتبلیغ' وعظ ونصیحت' گالیاں اور دعائیں' دہشت گردی اور تشدد اور سب سے بڑھ کر انتخابات..... مگر انقلابی طریق کار کے اسرار بہت کم لوگوں پر واضح ہیں اور جانتے بوجھتے اس کی طرف آتے نہیں' کیونکہ وہ جان جوکھوں کا کام ہے۔ یہاں میں اوّل الذکر طریقوں کو چھوڑ دیتا ہوں' کیونکہ ہماری بات ان سے بہت کم متعلق ہے۔ میں انتخابات پر مزید کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

(۳) قمری حساب سے پاکستان کے ۵۵ سال مکمل ہو چکے ہیں۔ کیا نصف صدی کا تجربہ اس کے لئے کافی نہیں کہ ہم سبق حاصل کریں کہ انتخابی طریقہ سے یہاں اسلام نہیں آ سکتا۔ اس سے چند لوگوں کا کام تو بن جاتا ہے اسلام کی کوئی خدمت نہیں ہو سکتی۔ اور اسلامی انقلاب اس راستے سے آنا تو محال ہی ہے..... ماضی قریب میں ایک تجربہ ترکی میں ہو چکا ہے' جہاں انتخابات کے نتیجے میں نجم الدین اربکان کی اسلام پسند جماعت مخلوط حکومت بنانے میں کامیاب ہو گئی۔ لیکن اس کا انجام کیا ہوا؟ معلوم ہوا کہ انتخابات کے نتیجے میں جو کامیابی حاصل ہوئی وہ بہت سطحی کامیابی تھی اور نتیجہ خیز اور دیرپا ثابت نہ ہو سکی اور وہ اس مضبوط جڑوں والے (Deeprooted) نظام کو ہلا نہ سکی۔ یہاں تو ایک غضب اور بھی ہے کہ بہت سی مذہبی اور دینی جماعتیں انتخابات کے موقع پر دیگر سیکولر سیاسی جماعتوں کے ساتھ اتحاد کر جاتی ہیں' مگر ہماری تلخ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ یہ جماعتیں کبھی بھی باہم کسی مؤثر اتحاد میں یکجا نہیں ہو سکیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ جب انتخابات کا وقت آتا ہے تو ہر ایک کا اسلام علیحدہ علیحدہ اسلام بن جاتا ہے' اور وہ ایک دوسری کے بالمقابل لنگر لنگوٹ کس کر انتخابات کے میدان میں صف آرا ہو جاتی ہیں۔ نتیجہ کیا ہوتا ہے؟ سب کو معلوم ہے۔ ہاں' ان کو ایک کریڈٹ ضرور جاتا ہے کہ وہ سیکولر جماعتوں کے ساتھ مل کر اتحاد بناتی ہیں۔ خواہ یہ انتخابی اتحاد ہو یا وقت کی حکومت کی ٹانگ کھینچنے کے لئے اتحاد ہو' جس پر وہ بڑے دھڑلے سے کافر اور ظالم کا لیبل لگا دیتی ہیں۔ مثالیں بہت سی ہیں' دو پیش کرتا ہوں۔ ماضی میں جمعیت العلمائے اسلام کا این اے پی یا اے این پی کے ساتھ اتحاد اور جماعت اسلامی کا مسلم لیگ کے ساتھ مل کر آئی جے آئی بنانا۔ یہ وہی مسلم لیگ تھی جس نے سودی نظام کو برقرار دینے کے شریعت کورٹ کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل کر کے اللہ کے غضب کو دعوت دی..... لیکن دینی جماعتوں کا باہم اتحاد جیسے ماضی میں نہیں ہوا اسی طرح مستقبل میں بھی ممکن نظر نہیں آتا' کیونکہ

ہر ایک کا اسلام الگ الگ ہے۔ من دیگرم تو دیگری! فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ!!

سب سے زیادہ دکھ کی بات یہ ہے کہ مذہبی جماعتوں (بشمول جماعت اسلامی) نے اسلام کو الیکشن ایشو بنایا اور اسی کو لے کر سامنے آنا اس کے مترادف ہے کہ اسلام پر Proprietary Rights صرف اسی مخصوص پارٹی یا ٹولے کو حاصل ہیں' یعنی وہ اسلامی ہے اور دیگر غیر اسلامی۔ اس کے جو خوفناک نتائج نکلے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ آپ نے لوگوں کو اپنی طرف بلانے کی راہ ہی مسدود کر دی ہے۔ میں بڑی تجزیاتی آنکھ سے آپ کے ماہانہ مقامی اجتماع کو دیکھتا ہوں۔ میرا مشاہدہ ہے کہ ان اجتماعات میں صرف وہی لوگ شامل ہوتے ہیں جو پہلے سے جماعت سے متعلق ہوتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ وہ نمازی حضرات جو اس مسجد کے مستقل نمازی ہیں..... آپ کی انتخابی پالیسی کی وجہ سے آپ نے خود کو 'اسلامی' اور دوسروں کو 'غیر اسلامی' بنا کر خود ہی لوگوں کے اسلام کی طرف آنے کی راہ میں ایک خوفناک رکاوٹ کھڑی کر دی۔ اس سے اسلام کی تو کوئی خدمت نہیں ہوئی' البتہ کسی کی انا کی تسکین ضرور ہوئی ہوگی۔

(۴) جس طرح ہر کام کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں اسی طرح انتخابی عمل کے بھی اپنے مخصوص تقاضے ہیں۔ مثلاً انتخابات کے موقع پر ایک اعلیٰ اقدار کی حامل دینی جماعت اور اس کے کارکنوں کو اپنے مقام سے بہت نیچے آنا پڑتا ہے۔ انتخابات جیتنے کے لئے دیگر سیکولر پارٹیوں کے سیکولر عناصر جس قسم کے دعوے' وعدے اور وعیدیں کرتے ہیں ان کے بالمقابل دینی جماعتوں اور افراد کو بھی عوام الناس کا اعتماد حاصل کرنے کے لئے کم و بیش اسی طرح کے حربے استعمال کرنے پڑتے ہیں۔ دینی جماعتوں کے کارکن بھی عام انسان ہیں' اس لئے انتخابات سے پیدا شدہ فضا اور اس کے تقاضے ان کو بھی جھوٹے وعدے' غلط پروپیگنڈے اور دوسروں کے خلاف بدزبانی اور تہمتیں لگانے پر مجبور کرتے ہیں۔ لہٰذا قرآنی حکم ﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ کی کھلم کھلا خلاف ورزی کا ارتکاب کیا جا رہا ہے۔ ہر دینی پارٹی اپنے اسلام کو صحیح اسلام جتا کر ووٹ مانگتی ہے۔ عوام الناس کس کے اسلام کو صحیح سمجھیں اور کیوں؟ یہ بہت بڑا سوال ہے۔

آپ میرے ساتھ مکمل اتفاق کریں گے کہ انتخابی معرکہ کے نتیجے میں اور چیزوں کے علاوہ جو سب سے قبیح چیز ظہور پذیر ہوتی ہے وہ نفرت ہے۔ یہ نفرت ہمارے معاشرے میں

بچشم سر دیکھی جا سکتی ہے۔ اور کوئی بھی سلیم الفطرت انسان اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ یہ نفرتیں اور عداوتیں انتخابی دنگل سے عفریت کی طرح برآمد ہوتی ہیں۔ یہی وہ چیز ہے جو آپ کے ''دعوتی میدان'' کو مسدود کرنے کا باعث بنتی ہے' بلکہ آہستہ آہستہ دعوت الی اللہ کا عمل سکڑ کر رہ جاتا ہے اور دعوتی کام صرف انتخابات میں جماعت کو ووٹ دینے کی حد تک محدود ہو کر رہ جاتا ہے۔ یعنی ووٹ مانگتے وقت انسان اتنا خودغرض بن جاتا ہے کہ ووٹ دہندہ کے ساتھ اس کے ایمان اور نجات کے حوالہ سے اس کی فکرمندی بہت کم رہ جاتی ہے۔ اس کا مطمح نظر اور غرض تو صرف اس کا ووٹ ہوتا ہے' باقی وہ آدمی جائے جہنم میں' اس سے اس کا کیا سروکار!

(۵) سیکولر پارٹیاں انتخابات میں حصہ لیتی ہیں تو میرے خیال میں وہ ٹھیک کرتی ہیں۔ اس لئے کہ وہ سسٹم کی تبدیلی کی بات نہیں کرتیں۔ وہ اس سیکولر نظام میں خوش ہیں۔ انتخابات کے عمل سے وہ موجودہ نظام کو (جو غیر اسلامی ہے) تقویت پہنچاتی ہیں۔ ان کا دین سے کوئی سروکار نہیں۔ وہ عوامی خدمت کا دعویٰ کرتی ہیں' سچ یا جھوٹ..... میں سمجھتا ہوں جماعت اپنا قیمتی وقت اور صلاحیتیں اس کھیل میں ضائع کر رہی ہے۔ ابھی تک انتخابات کا جو مشاہدہ اس کے نتیجے کے حوالے سے کیا جا چکا ہے وہ یہ ہے کہ چند اسلام پسند حضرات یقیناً پارلیمنٹ کے ممبر بن جاتے ہیں۔ لیکن پارلیمنٹ میں ان کی گھن گرج اسلام کی کون سی خدمت کرتی ہے؟ نقار خانے میں طوطی کی آواز کی کیا حیثیت! کیونکہ اس شیطانی جمہوریت میں علامہ اقبال کے بقول ع ''بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے!'' ہاں ان حضرات کی اپنی دنیا وہاں خوب آباد ہو جاتی ہے۔ مخلوط نشست و برخاست' آزادانہ میل جول' کسی کے جائز و ناجائز کام کروانے کے مواقع اور خود دنیاوی فائدے حاصل کرنے کی کھلی راہ۔ وہاں دین کی کوئی خدمت نہیں ہوتی۔

ایک بہت ہی مضحکہ خیز دعویٰ یہ ہے کہ ان چند حضرات نے پارلیمنٹ میں پہنچ کر شیطانی فتنہ کو لگام دی ہوئی ہوتی ہے..... مجھے بتائیں ان کا وہ کون سا کارنامہ ہے جس کی وہ ہماری پارلیمانی تاریخ میں نشاندہی کر سکیں؟ وہ تو اتنا بھی نہیں کر سکتے کہ اس پارلیمنٹ میں مرد و زن کا ''شانہ بشانہ'' اٹھنا بیٹھنا ہی بند کر سکیں۔

(۶) ایک اور بات جو بہت ہی اہم اور توجہ طلب ہے اور میرے خیال میں بہت کم

لوگوں نے اس پر کما حقہٗ غور کیا ہوگا' وہ ایک اصولی بات ہے' اور وہ یہ کہ اسلام کی خدمت کے حوالے سے ایک بنیادی indicator (اشارہ نما) یہ ہوتا ہے کہ جو لوگ اسلام کی خدمت کرتے ہیں بالعموم ان کی دنیا سکڑ جاتی ہے' ان کی دنیا پھیلتی نہیں' ترقی نہیں کرتی۔ دور صحابہؓ سے اس کی اعلیٰ ترین مثال سیدنا حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ ماضی قریب کی چند شخصیات کے علاوہ کیا ہم فی زمانہ انتخابی شاہراہ کے شاہ سواروں میں سے کسی ایک شخصیت کو بھی بطورِ مثال پیش کر سکتے ہیں؟ ہمارا مشاہدہ تو اس کے برعکس ہے۔ جو بھی اس میدان کا شاہ سوار ہے اس کی دنیا اور دنیاوی حیثیت تو دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر رہی ہے۔ لوگوں کو ترقیاں دلوانا' سروس دلوانا' ٹرانسفر کرانا' پرمٹ دلوانا' ترقیاتی کاموں کے لئے فنڈز حاصل کرنا' یقیناً ان کے مثبت کام ہو سکتے ہیں' لیکن میرے بھائی! ان چیزوں کا غلبۂ اسلام یا اظہار دین الحق سے کیا سروکار! میں خود اس ضلع دیر میں ظہور پذیر ہونے والی سیاسی' مذہبی اور جمہوری تبدیلیوں کا ذاتی طور پر گواہ ہوں اور میں نے بہت ساری شخصیات کو اس حوالے سے دیکھا ہے کہ ان کی دنیا بہت ہی سنور گئی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جو سب سے زیادہ دین کی علمبرداری کے دعوے دار ہیں۔ لوگ دیکھتے اور سمجھتے ہیں۔ اگرچہ اکثریت دھوکا کھاتی ہے' پھر بھی عوام الناس اندھے اور بہرے نہیں ہوتے۔

(۷) جماعت اسلامی کا اصل پروگرام نظام کی تبدیلی ہے۔ یعنی موجودہ نظام کی جگہ اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ نظامِ عدل وقسط کی تنفیذ اور غلبہ واقامت دین۔ یہ پروگرام یقیناً مسلمان کی دینی اور دُنیوی زندگی کو سنوارنے کا ضامن ہے۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ نظام کی تبدیلی اس صورت میں ناممکن ہے جب آپ پہلے سے موجود نظام کا حصہ بن جائیں۔ اس صورت میں آپ اس معاشرے کے ساتھ سازگاری اختیار کرتے ہیں اور اس نظام کا کل پرزہ بن جاتے ہیں—— آپ کا خلوص واخلاص اپنی جگہ!—— سیدھی سی بات ہے کہ نظام کی تبدیلی کے لئے پہلے سے موجود غلط نظام سے بغاوت کرنی ہوگی اور غلط نظام کے سب باغیوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا ہوگا اور پھر ان کو منظم کر کے تربیت کے مراحل سے گزار کر باطل نظام کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا ہوگا (یہی طریقۂ انقلاب نبویؐ ہے۔) اس نقطۂ نظر کے لئے میں آپ کے سامنے ایک مثال رکھ رہا ہوں۔ فرض کریں کسی جگہ ڈکٹیٹر شپ قائم ہے۔ چند لوگوں کی خواہش ہے کہ اس کی جگہ جمہوریت لائی جائے' تو کیا یہ ممکن ہے کہ وہی لوگ ڈکٹیٹر شپ کا

حصہ بن کر جمہوریت لانے میں کامیاب ہوسکیں؟ اس کے لئے تو ڈکٹیٹرشپ سے اعلانِ براء ت کرنا ہوگا۔ جماعت اسلامی ملک میں اسلامی نظام لانا چاہتی ہے لیکن مروجہ ملکی نظام کے ذریعے یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی شخص پرانے مکان کی جگہ نیا مکان تعمیر کرنے کا ارادہ کرے مگر پرانے مکان کو گرانا بھی نہ چاہے۔ اب یہ خواہش تو ہوسکتی ہے لیکن عملی طور پر ممکن نہیں۔ نیا مکان بنوانے کے لئے پرانا مکان مسمار کرنا ہوگا (میرے خیال میں جماعت کے اکابرین کو ایک بار پھر ۱۹۵۶ء میں جا کر سوچنا ہوگا اور ۱۹۵۷ء کے ماچھی گوٹھ کے اجتماع کے نتیجے میں ظہور پذیر ہونے والے واقعات کی روشنی میں اپنا لائحہ عمل طے کرنا ہوگا اور تاریخ کی قبر کو کھود کر اس میں سے ''جائزہ کمیٹی رپورٹ'' نکال کر سامنے رکھ کر اپنی منزل کا از سرنو تعین کرنا ہو گا۔)

اس نکتہ کی مزید وضاحت کے لئے ذرا یاد کیجئے کہ جنرل مشرف کے مجوزہ بلدیاتی نظام کو پہلے جماعت اسلامی نے غیر اسلامی اور سیکولر قرار دیا اور پھر اسی نظام کے تحت انتخابات کے میدان میں کود پڑی۔ اب آپ نے ان انتخابات میں حصہ لے کر اس (مشرف صاحب والے) نظام کو خود تقویت دینے کے ساتھ ساتھ اسے سند جواز بلکہ سند حلت عطا فرمائی۔ بالفاظِ دیگر آپ اس (آپ کے اپنے الفاظ میں) غیر اسلامی اور انتہائی سیکولر نظام کو چلانے اور برپا کرنے کے لئے خود اس مشینری کا کل پرزہ بن گئے اور اس طرح اس نظام پر اپنے عمل سے ایک اچھے نظام ہونے کی مہر ثبوت لگا کر اسے حلال بنا دیا (جس کے متعلق آپ کے بہت سے فتوے حرام اور غیر اسلامی ہونے کے اخبارات کی زینت بنے تھے) آپ اس سے انکار تو کر ہی نہیں سکتے کہ آپ اس کا حصہ نہیں ہیں۔ ع کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

اب یہ آپ کے لئے لمحۂ فکریہ ہونا چاہئے کہ اگر نظام کی تبدیلی پیش نظر ہے تو پہلے سے موجودہ نظام کی عملی طور پر مکمل نفی کرنی ہوگی اور قیامِ نظامِ اسلامی کی جدوجہد کو سیرت نبویؐ کی روشنی میں از سرنو ترتیب دینے کی ضرورت ہوگی۔ اس ضمن میں تذکیر کے لئے سید ابوالاعلیٰ مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی سٹرپچی ہال والی تقریر' جس میں انہوں نے نہایت جامع انداز میں اسلامی حکومت کے قیام کا تفصیلی جائزہ پیش فرمایا تھا' کی ورق گردانی از حد ضروری ہے۔

(۸) زمانہ قریب میں چند ایک واقعات کی ظہور پذیری کیا انتخابی طریق کار سے ممکن ہوسکتی تھی؟ مثلاً ایران میں خمینی انقلاب (جسے میں صحیح اسلامی انقلاب تصور نہیں کرتا تاہم شیعہ

مسلک کے مطابق وہ کسی حد تک تو اسلامی انقلاب ہی ہے) ہزار سال بھی انتخابات لڑ کر برپا نہیں کیا جا سکتا تھا! پاکستان میں قرار دادِ مقاصد پارلیمنٹ میں کبھی بھی پاس نہ ہوتی اگر بیرونی تحریک اور دباؤ نہ ہوتا (جس میں جماعت اسلامی کا بہت بڑا حصہ ہے)—— اسی طرح شیعہ حضرات کے زبردست دباؤ کے سامنے زکوٰۃ کے معاملہ میں چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ضیاء الحق کو ناک رگڑنی پڑی اور وہ زکوٰۃ کے متعلق مارشل لائی حکم کو واپس لینے پر مجبور ہوئے۔ اگر اس قسم کے کام بھی بغیر ایک عوامی تحریک کے ناممکن ہوں تو ایک عظیم کام اور عظیم تبدیلی یعنی اسلامی نظام برپا کرنے کا کام انتخابی عمل سے کیسے ممکن ہو سکے گا؟

(۹) انتخابات جدید زمانے کے مطابق ضرور ایک اجتماعی عمل ہے اور انتخابی سیاست آج کی دنیا میں جمہوریت کی گاڑی کو چلانے کے لئے ایک طریقہ کار ہے۔ کسی ملک کے موجودہ نظام کو چلانے کے لئے انتخابی عمل ایک ناگزیر ضرورت ہوتی ہے' کیونکہ اگر یہ نہ ہوں اور ہاتھوں کی تبدیلی کے لئے کوئی معقول نظام نہ ہو تو پھر وہ ملک آہستہ آہستہ ڈکٹیٹرشپ اور فسطائیت کی گود میں چلا جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں اس پر نہ حرام ہونے کا فتویٰ لگایا جا سکتا ہے اور نہ یہ کوئی غلط کام ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اس کے ذریعے دین غالب نہیں کیا جا سکتا۔ یعنی اس کے ذریعے موجودہ نظام کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر اس کی جگہ اسلام بحیثیت ایک نظام قائم نہیں کیا جا سکتا۔ ہاں اگر صحیح محمدیؐ طریقہ کار کو اپنا کر ایک دفعہ کسی ملک میں مثلاً پاکستان میں اسلامی انقلاب برپا کیا جائے تو پھر اس نظام کو چلانے کے لئے لازمی طور پر کسی نہ کسی شکل میں تو انتخابات کرانے ہی ہوں گے' کیونکہ اس اسلامی نظام کو چلانے کے لئے بہتر سے بہتر ہاتھ مہیا کرنا ایک مسلسل اور ناگزیر ضرورت ہوگی اور ہمیں چناؤ کا کوئی نہ کوئی طریقہ وضع کرنا ہوگا۔ ہمارا ایک سیاسی ڈھانچہ ہوگا۔ تمام سیاسی ڈھانچے ہم اختیار کر سکتے ہیں جو بھی ہمارے مزاج اور قومی ضروریات سے مناسبت رکھتے ہوں۔ یہ پارلیمانی بھی ہو سکتا ہے' صدارتی بھی' فیڈرل بھی اور کانفیڈرل بھی۔ یہ تمام باتیں مباحات کے درجے میں ہیں اور تمام جائز ہیں۔

دوسری طرف جب تک پاکستان میں اجتماعی نظام اسلامی نہیں ہے تب بھی سیاسی عمل اور انتخابات پاکستان کو بحیثیت ایک ملک (اسلامی نہیں) زندہ رکھنے کے لئے ضروری ہیں' کیونکہ مارشل لاء اور ڈکٹیٹرشپ کے مقابلے میں انتخابی عمل اور لوگوں کی آزاد مرضی سے منتخب

شدہ حکومت (خواہ کتنی ہی بری ہو) بدرجہا بہتر ہے۔ اس سے لوگوں کو یہ احساس ہوتا ہے کہ اس ملک کو چلانے اور اس کے انتظام و انصرام میں ہماری رائے کو ایک حیثیت حاصل ہے۔ اگر ایسا نہ ہو تو لوگ اس ملک کے وجود ہی سے متنفر ہونے لگتے ہیں اور اندرونی لاوا پکنے کے ساتھ ساتھ ففتھ کالمسٹ پیدا ہونے لگتے ہیں اور حالات یہاں تک پہنچ جاتے ہیں کہ ملک کا وجود ہی خطرے میں پڑ جاتا ہے۔۔۔ دیکھیں کسی آدمی کو زندہ رکھنے کے لئے اسے ہوا' پانی اور خوراک کی ضرورت ہوتی ہے خواہ وہ آدمی مسلمان ہو یا غیر مسلم۔۔۔ دوسری طرف ایک آدمی کو مسلمان بننے کے لئے ایمان کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان دونوں کاموں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ آپ کا کام غلبۂ دین' اظہار دین الحق اور اقامت دین ہے' تاکہ پاکستان ایک اسلامی ملک بن سکے۔

جماعت اسلامی کی تاریخ سے ایک واقعہ کی طرف یہاں اشارہ ضروری سمجھتا ہوں۔ ۱۹۷۰ء کے انتخابات کے بعد مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ جماعت اسلامی کی مرکزی شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لئے بطور خاص تشریف لائے اور اپنی حتمی رائے پیش کی کہ ''۷۰ء کے انتخابات کے نتائج سے یہ بات ثابت ہو چکی کہ اس ملک میں انتخابات کے ذریعے اسلامی نظام کا قیام ناممکن ہے''۔ مولاناؒ کی اس رائے کے جواب میں میاں طفیل محمد صاحب سمیت شوریٰ کے کئی ایک ارکان نے' بالخصوص جماعت میں اسلامی جمعیت طلبہ کے راستے سے آنے والے نوجوانوں نے ''انتخابی طریق کار'' کی مدافعت کی اور اس کے حق میں دلائل دینے شروع کئے تو مولاناؒ نے فرمایا ''یہ ساری دلیلیں میں نے ہی آپ لوگوں کو سکھائی تھیں۔ تاہم میں اب جس نتیجے تک پہنچ گیا ہوں اسے میں نے آپ لوگوں تک پہنچا کر اپنا فرض ادا کر دیا۔ آگے آپ جانیں اور آپ کا کام''۔ (روزنامہ خبریں' ۱۷ر جون ۲۰۰۱ء) میں سمجھتا ہوں کہ آپ کے ہاں نظم بھی ہے' ٹیلنٹ بھی ہے' ذرائع و وسائل بھی ہیں اور commitment بھی۔ لیکن افسوس کہ آپ کا وقت اور صلاحیتیں انتخابات کی دلدل میں پھنس کر ضائع ہو رہی ہیں۔ انقلابی عمل کے لئے نہ آپ کی تربیت ہو رہی ہے اور نہ آپ انتخابی عمل کی ناموزونیت پر غور کرنے کے لئے تیار ہو رہے ہیں۔

(۱۰) اسلامی انقلاب کیسے برپا ہوگا؟ اس کے لئے محمدیؐ طریق کار کیا ہے؟ میں اسے اجمالاً چند ہی جملوں میں لکھ رہا ہوں۔ تفصیل کے لئے تو کئی صفحات درکار ہوں گے جس سے

اس خط (جو پہلے سے بہت طویل ہو رہا ہے) کی ضخامت اور بڑھے گی لہٰذا صرف اشارات پر اکتفا کرتا ہوں۔

منظم جماعت کی شکل میں منکرات کے خلاف ایک زبردست عوامی تحریک کے ذریعے لوگ جمع ہوں جنہوں نے خود اپنے اوپر دین کو قائم کیا ہوا ہو اور منکرات کو چیلنج کرتے ہوئے ایک پُرامن احتجاجی تحریک کے ذریعے ایک پریشر گروپ کی شکل میں آگے بڑھیں' یہاں تک کہ ان منکرات کے محافظ نظام کو مفلوج کر کے رکھ دیں۔ یہ لوگ کسی کا خون نہ لیں اور اپنے خون کو قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔ اس کے نتیجے میں خاموش اکثریت کی ہمدردیاں یقیناً اس انقلابی جماعت کے ساتھ ہو جاتی ہیں۔ اس راہ میں مشکلات بھی ہیں اور خطرات بھی۔ لیکن اس کے لئے ایک زبردست تربیت کی بھی ضرورت ہے۔ ان انقلابیوں کے دل و دماغ پر صرف ایک ہی بات چھائی ہوئی ہو کہ ان کو آخرت کی فلاح ملے اور اس کام کو وہ ایک فریضۂ دین جان کر کرنے کے لئے جان کی بازی لگانے پر تیار ہوں —— اس جدوجہد میں اگر اس دنیا میں کامیابی حاصل ہو جائے تو دنیا بھی مانے گی کہ کامیاب ہو گئے اور نظام بدل جائے گا' لیکن اگر خدانخواستہ بظاہر اس نظام کو اکھاڑ کر اسلامی نظام کو قائم کرنے میں کامیابی نہ ہوئی تو پھر بھی یہ ناکامی نہیں۔ آپ کا مطمحِ نظر تو آخرت کی کامیابی ہے۔ اللہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ آپ نے کتنی جدوجہد کی اور کس حد تک اپنا تن من دھن لگایا۔ وہ یہ نہیں دیکھنا چاہتا کہ آپ نے نظام بدل ڈالا یا نہیں —— یہی راستہ ہے نظام کی تبدیلی کا —— کیا یہی طریقہ طریق محمدیؐ نہیں؟ ایں قدر تفہیم باقی فکر کن! ورنہ انتخابات کی دلدل میں تو مزید دھنستے جائیں گے اور نتیجہ وہی ہوگا جو نصف صدی گزرنے کے بعد ہمارے سامنے ہے۔ تلك عشرة كاملة

..... وما علينا الا البلاغ

والسلام مع الاکرام

آپ کا دینی بھائی

محمد فہیم

KHALID TRADERS

IMPORTERS - INDENTORS - STOCKISTS & SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS, FROM SUPER - SMALL TO SUPER - LARGE

NATIONAL DISTRIBUTORS NTN BEARINGS

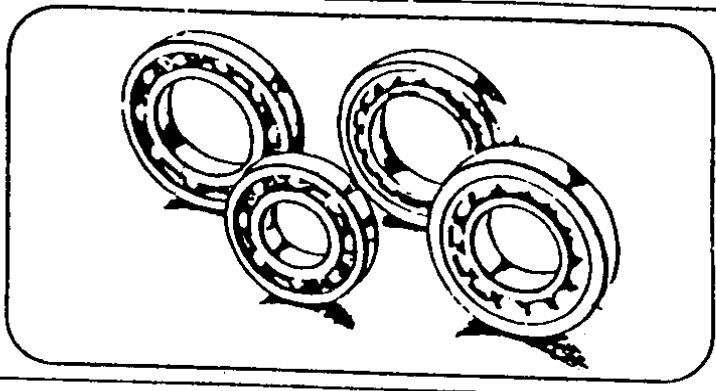

PLEASE CONTACT

Opp. K.M.C. Workshop, Nishtar Road, Karachi-74200, Pakistan.
G.P.O. Box #. 1178 *Phones :* 7732952 - 7730595 *Fax :* 7734776 - 7735883
E-mail : ktntn@poboxes.com

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : *SIND BEARING AGENCY*, 64 A-65 Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400(Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : 5 - Shahsawar Market, Rehaman Gali No. 4, 53-Nishtar Road, Lahore-54000, Pakistan. Phones: 7639618,7639718,7639818, Fax: (42) : 763-9918

GUJRANWALA: 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING